ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
3 تا 9 / اکتوبر 2002ء

☆ کب کھلا تجھ پر یہ راز..... (اداریہ)
☆ انقلابِ نبوی ﷺ کی توسیع کا مرحلہ (منبر و محراب)
☆ ناخدا بنیں، خدا نہ بنیں (تجزیہ)

اسلامی نظام میں سماجی انصاف کے تقاضے!

اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی میں خالص سماجی اور معاشرتی سطح پر انصاف کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کو پیدائشی طور پر مساوی تسلیم کیا جائے اور ان کے مابین اونچ نیچ کا کوئی فرق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز اُن چیزوں کی بنیاد پر نہ ہو جو انہیں پیدائشی طور پر ملتی ہیں کیونکہ ان کے ضمن میں کسی انتخاب و اختیار یا کسب و سعی کا سوال نہیں ہوتا، جیسے نسل، رنگ اور جنس۔ گویا انسانوں کے مابین کوئی فرق و تفاوت اور درجہ بندی صرف ان امور کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جن میں اُن کے کسب و اختیار اور سعی و جہد کو دخل حاصل ہے، جیسے نظریات و عقائد، یا سیرت و کردار، یا علم و ہنر وغیرہ۔ پھر یہ درجہ بندی بھی خالص انتظامی حیثیت کی حامل ہوگی، شرفِ انسانیت کو پوری نوعِ انسانی کی مشترکہ اور مساویانہ متاع کی حیثیت حاصل رہے گی، اور اس اعتبار سے تمام انسان ہر صورت میں بالکل مساوی اور برابر متصور ہوں گے!

اسی طرح سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔ جیسے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کے فاتح اور گورنر حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مکان کے آگے ڈیوڑھی بنانے اور دربان کھڑا کرنے پر سرزنش کے طور پر تحریر فرمایا تھا: ''اے سعدؓ! لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا، تم نے انہیں اپنا غلام کب سے بنا لیا؟'' —— پھر اسی اصول کا ایک منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ افراد کی آزادی پر صرف وہ قدغنیں اور پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں جو یا تو ان کے خالق اور مالک نے عائد کی ہوں، یا ان کے طے کرنے میں ان کی اپنی رائے اور مشورے کو بھی دخل حاصل ہو۔ اور اس طرح ''حق خود اختیاری'' کا تقاضا پورا ہو جائے! الغرض، سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ع ''تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے!'' کے مطابق انسانوں کے مابین حاکم و محکوم اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں ''مستکبرین'' اور ''مستضعفین'' کی تقسیم و تفریق باقی نہ رہے، بلکہ سیاسی اعتبار سے کامل مساوات قائم ہو جائے اور حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ کے مطابق ''سب انسان اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔''

(بانی تنظیم اسلامی کی زیرِ طبع کتاب ''عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت کے چند بنیادی مسائل'' سے ایک اقتباس)

بسم اللہ الرحمن الرّحیم

''.......اور ہم نے پہلا قبلہ (بیت المقدس) اس لئے بنایا تھا کہ ہمیں معلوم ہو کہ کون رسولؐ کا اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اگرچہ قبلہ کی تبدیلی ایک بہت بڑی بات تھی لیکن ان لوگوں کے لئے (نہیں) جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ تو لوگوں کے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔'' (البقرۃ:۱۴۳)

آیت کے اس دوسرے حصے میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ جس قبلہ (بیت المقدس) پر آپؐ تھے اسے ہم نے اس لئے ٹھہرایا تھا کہ ہم دیکھ لیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اتباع کون کرتے ہیں اور کون لوگ ہیں جو اپنی ایڑیوں کے بل پر واپس مڑ جاتے ہیں۔ دراصل خانہ کعبہ کو اہل عرب کی قومی یادگار (National Monument) کی حیثیت بھی حاصل تھی اور اس کے ساتھ ان کی نسلی وابستگی اور جذباتی تعلق اس اعتبار سے بھی تھا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا تھا۔ اس حوالے سے جو لوگ بھی مکہ میں حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے ان کا خانہ کعبہ کے ساتھ یقیناً بہت گہرا تعلق تھا۔ ہجرت کے بعد جب وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو اس طرح سے مکہ کی طرف پیٹھ ہو جاتی۔ یوں یہ امتحان ہو گیا کہ آیا یہ لوگ اپنی آبائی روایات کے ساتھ زیادہ جڑے ہوئے ہیں یا محمد ﷺ کے فرمان کو ترجیح اور فوقیت دیتے ہیں۔

ایک اور بات یہاں معنی خیز ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ قرآن میں اس کا حکم نہیں ہے۔ یہ حکم حضور ﷺ کے ذریعے لوگوں تک پہنچا تھا۔ چنانچہ اس میں دونوں امکان موجود ہیں کہ وحی خفی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اپنے پیغمبر کو دے دیا ہو یا پھر یہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا اجتہاد تھا جسے اللہ تعالیٰ نے منظور فرما لیا۔ جب نبی کے اجتہاد کو اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں تو وہ اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل شے رسولؐ کا اتباع ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

آگے فرمایا کہ قبلہ کی تبدیلی واقعی بڑی بات تھی لیکن جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا ان کے لئے اصل چیز تو رسولؐ کی اطاعت ہے لہٰذا ان کے لئے یہ مرحلہ کوئی کٹھن نہ تھا۔ دراصل مدینہ میں جب یہ حکم آیا کہ مسلمان اب خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تو لوگوں کو تشویش ہو گئی تھی کہ کیا یہ سولہ مہینے کی نمازیں ہم نے غلط پڑھیں۔ اگر قبلہ یہ تھا تو ہماری وہ نمازیں ضائع ہو گئیں۔ اور نماز ہی اصل دین ہے تو گویا ایمان ہی ضائع ہو گیا۔ لہٰذا اللہ نے فرمایا نہیں ایسی بات نہیں۔ اگر تمہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اب تم ادھر رخ کرو تو جہاں یہ اللہ کو قبول ہے وہاں اللہ تمہاری سابقہ نمازوں یعنی ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں۔ کیونکہ اللہ لوگوں کے حق میں بہت ہی مہربان اور رحیم ہے۔

قبر کی کٹھن منزل

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی یَبُلَّ لِحْیَتَہٗ فَقِیْلَ لَہٗ تُذْکَرُ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رسول اللہ ﷺ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ نَجَا مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ وَاِنْ لَّمْ یَنْجُ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَاَیْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا الْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْہُ (رواہ الترمذی)

''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال یہ تھا کہ وہ جب کسی قبر کے پاس ہوتے تو بہت روتے یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپؓ دوزخ اور جنت کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر قبر کی منزل سے نجات نہ پا سکا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت اور کٹھن ہیں نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔''

یہ بندہ مومن کی کیفیت کا اظہار ہے کہ اسے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ برزخ و قیامت کی گھاٹیاں ضرور آئیں گی اور جزا و سزا کا معاملہ لازماً ہو گا۔ لہٰذا اس یقین کا اس کے ہر عمل پر اثر ہوتا ہے اور وہ بچ بچ کر چلتا ہے۔ یہ وہ منزل ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ فرعون اور آلِ فرعون کے بارے میں قرآن مجید میں درج ہے کہ ان کا ٹھکانہ جو دوزخ میں ہے وہ انہیں روزانہ صبح شام دکھایا جاتا ہے۔ باقی تمام انسانوں کے لئے بھی نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کا جنت یا دوزخ میں جو مقام ہو گا وہ صبح و شام اس کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اور یہی مراد آپؐ کے اس فرمان کی ہے کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ اس قبر کی منزل سے نجات وہی پائے گا جو قبر اور آخرت کے عذاب سے بچنے کا سامان کرے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قبر کی اس منزل میں کامیابی عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے جنت والوں میں شامل فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ عاکف سعید

کب کھلا تجھ پر یہ راز.........

پچھلے دنوں وفاقی وزیر داخلہ جناب معین الدین حیدر صاحب کا ایک ''چونکا دینے والا'' بیان اخبارات کی زینت بنا۔ انہوں نے پہلی بار اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے گویا دبے لفظوں میں اعترافِ تقصیر بھی کیا کہ ملک میں دہشت گردی کے واقعات اور بالخصوص چرچ پر حملوں کے پیچھے را کا ہاتھ کارفرما ہے جو پاکستان کے استحکام کو پارہ پارہ کرنے اور پوری دنیا میں پاکستان کے امیج کو مجروح کرنے کی خاطر یہ کارروائیاں کر رہی ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ وفاقی وزیر داخلہ، جو موجودہ حکومت کے ایک اہم ستون شمار ہوتے اور نہایت معاملہ فہم اور باصلاحیت گردانے جاتے ہیں، یہ راز اب کھلا ہے۔ ''کب کھلا تجھ پر یہ راز' انکار سے پہلے کہ بعد!'' ورنہ اس سے قبل دہشت گردی اور تخریب کاری کے الزامات کا تمام تر ملبہ انتہا پسند مذہبی تنظیموں، دینی جماعتوں اور القاعدہ پر ڈالا جاتا رہا اور ساری پکڑ دھکڑ انہی طبقات تک محدود رہی۔ حکومت کی ''حسن کارکردگی'' کے یہ مظاہر بھی سامنے آئے کہ مذہبی تنظیموں کے بعض نوجوانوں کو گرفتار کرکے ان سے ''اعترافِ جرم'' بھی کروا لیا جاتا رہا اور لگے ہاتھوں پاکستان میں عرصہ دراز سے مقیم عرب فیملیز میں سے بعض پر کریک ڈاؤن کرکے انہیں بھی دہشت گردی کا مرتکب قرار دیا جاتا اور انہیں امریکہ کے حوالے کرکے انکل سام سے داد بھی وصول کی جاتی رہی—— معین الدین حیدر صاحب کے حالیہ بیان کے تناظر میں ان کے سابقہ طرزِ عمل کو تجاہلِ عارفانہ قرار دیا جائے یا نااہلی اور بدحواسی کا مظہر قرار دیا جائے، یہ فیصلہ ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں—— ورنہ ہم نے آج سے چھ ماہ قبل جب اسلام آباد میں چرچ پر پہلی بار حملہ ہوا تھا' ندائے خلافت کے ادارتی صفحات میں حکومت کے نامناسب طرزِ عمل پر گرفت کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں کارپردازانِ حکومت کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی:

''...... کارپردازانِ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان مجرموں کا سراغ لگا کر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ حکومت وقت اور بالخصوص وزارت داخلہ کا موجودہ رویہ ہرگز قابل اطمینان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انہیں چاہئے کہ وہ دینی جماعتوں کو مطعون کرنے اور ان کے قائدین کو پابند سلاسل کرنے کی بجائے امن نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی کو بہتر بنائیں اور اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کی خاطر دینی طبقات کو الزام دینے سے گریز کریں۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ یہاں مذہبی فرقہ واریت کی آڑ میں دہشت گردی کا کھیل دراصل عالمی اسلام دشمن طاقتیں کھیل رہی ہیں جن میں را اور موساد سرفہرست ہیں۔ ہمارے نزدیک اسلام آباد میں چرچ پر دہشت گردانہ حملے کے واقعے میں امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے ملوث ہونے کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جو پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت اور عمل دخل کو مزید موثر بنانے کے لئے کوشاں ہے۔ ان کی یہ خواہش بالکل عیاں ہے کہ ایف بی آئی کا عمل دخل پاکستان میں ہر ادارے اور ہر سطح پر ہو اور اس معاملے میں انہیں Free Hand دیا جائے۔ چنانچہ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعے حالات کو موافق بنانا ایسی ایجنسیوں کا پرانا شعار ہے۔'' (بحوالہ اداریہ: ندائے خلافت 21 تا 27 مارچ 2002ء)

لیکن کون سنتا ہے فغانِ درویش!—— محض ریکارڈ کی درستی کے طور پر عرض ہے کہ اسلام آباد میں چرچ پر حملے کے مذکورہ بالا واقعے کے بعد ہی ہمارے ملک میں ایف بی آئی کا عمل دخل غیر معمولی طور پر بڑھا اور مشرف حکومت امریکی مطالبے پر ایف بی آئی کو فری ہینڈ دینے پر مجبور ہوئی' جس کا سب سے بڑا مظہر یہ تھا کہ اس واقعے کے دس بارہ روز بعد ہی ایف بی آئی اور پاکستانی ایجنسیوں کی مشترکہ کارروائی کے ذریعے فیصل آباد میں کریک ڈاؤن کرکے بعض عرب مجاہدین کو گرفتار کیا گیا جن میں مبینہ طور پر اسامہ بن لادن کے ایک قریبی ساتھی بھی شامل تھے۔ اس کے بعد سے پاکستان میں ایف بی آئی کا عمل دخل بڑھتا ہی چلا گیا۔ ایف بی آئی اب پاکستان میں کس حد تک پنجے گاڑ چکی ہے' ہر اخبار بین شخص اس سے بخوبی واقف ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ کشیدگی کی آڑ میں پاکستان کے استحکام کو درہم برہم کرنے اور اس کو اقوامِ عالم میں بدنام کرنے کا کھیل وہ بین الاقوامی اسلام دشمن عناصر کھیل رہے ہیں جن کے دلوں میں پاکستان کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ ان میں سرفہرست انڈیا اور اسرائیل ہیں جن کی خفیہ ایجنسیاں را اور موساد دہشت گردی اور تخریب کاری کی منصوبہ بندی کرتی اور بعض مقامی عناصر کو آلہ کار بنا کر اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کرتی ہیں۔ رہی سی آئی اے تو اس کے اہداف میں سے ایک اہم ہدف اسرائیلی ایجنڈے کی تکمیل ہے۔ جی ہاں' امریکہ کی رگِ جاں اسرائیل ہی کے پنجہ میں تو ہے!

ہم صدر پرویز مشرف اور ان کے دستِ راست جناب معین الدین حیدر کو یہ بتانا اپنا اخلاقی و دینی فریضہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان جن نامساعد حالات اور مشکل صورت حال سے دوچار ہے اس میں امریکہ کو اپنا نجات دہندہ سمجھنا اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے بے گناہ مسلمانوں اور عرب مجاہدین کو قربانی کا بکرا بنانا نہایت سنگین غلطی اور ناقابل تلافی جرم ہے۔ یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ موجودہ نہایت پیچ در پیچ الجھی ہوئی صورت حال کو کوئی فوجی آمر یا کوئی سول حکمران محض اپنے ناخنِ تدبیر سے نہیں سلجھا سکتا۔ ہم فی الوقت نہایت گہری عالمی سازشوں کی زد میں ہیں—— صرف اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے اور پاکستان میں نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد کے ذریعے اللہ کی نصرت و حمایت کا مستحق بن کر ہی ہم عالمی سازشوں کو ناکام بنانے اور پاکستان کی سالمیت کی حفاظت کے قابل ہو سکتے ہیں ورنہ بھارت' اسرائیل اور امریکہ پر مبنی شیطانی تثلیث اس وقت پاکستان کا قضیہ ہمیشہ کے لئے چکانے کی درپے نظر آتی ہے—— اور اللہ کی مدد کے بغیر ہم مذکورہ دشمنوں کے مقابلے میں ریت کی دیوار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ OO

ہفت روزہ ندائے خلافت [illegible]
مدیر: حافظ عاکف سعید
سی پی ایل نمبر 127 جلد 11 [illegible]
نائب مدیر: فرقان دانش خان
سالانہ زرتعاون 260 روپے [illegible] 5869501 [illegible]

انقلابی دعوت کا رُخ مذہبی دعوت سے بالکل مختلف ہوتا ہے

انقلابی جدوجہد درخت کی مانند اوپر کی طرف بڑھتی ہے جبکہ مذہبی تبلیغ بیل کی طرح نیچے پھیلتی ہے

اسلامی انقلاب پہلے کسی ایک ملک میں برپا ہوگا اور پھر اس کی توسیع کا عمل شروع ہوگا

اگر پوری دنیا میں یکدم انقلاب لانا ممکن ہوتا تو آنحضور ﷺ کے دور میں آ جاتا

انقلابِ نبوی ﷺ کی توسیع کا مرحلہ

بانی و مؤسس تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے مسجد دارالسلام باغ جناح میں 27 ستمبر 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

انقلاب اگر حقیقی ہو تو وہ کسی جغرافیائی یا قومی حدود کا پابند نہیں رہ سکتا۔ کسی انقلاب کے حقیقی ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے یہ چیز گویا لٹمس ٹسٹ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس پہلو سے اگر ہم انقلاب محمدیؐ پر غور کرتے ہیں تو وہ اس ٹیسٹ پر ہر اعتبار سے پورا اترتا ہے۔ چنانچہ جب سرزمین عرب میں انقلاب نبویؐ کی تکمیل کا مرحلہ قریب آیا تو آپؐ نے توسیع انقلاب کے عمل کا بھی آغاز فرما دیا۔

حضور ﷺ نے اس توسیع کا آغاز کیسے کیا؟ یہ سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم دو چیزوں کے فرق کو سمجھ لیں۔ انقلابی دعوت کچھ اور ہوتی ہے جبکہ مذہبی دعوت کا رخ بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ان دونوں کے امتیاز کو دو مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً کمیونزم برپا کرنے کی جدوجہد انقلابی تھی۔ جس کا ہدف صرف نظام کو بدلنا تھا۔ جبکہ عیسائی مشنریز کی دعوت مذہبی نوعیت کی ہوتی ہے۔ ان کے پیش نظر صرف عقیدے کو بدلنا ہوتا ہے۔ انہیں کسی انقلاب یا نظام کی تبدیلی سے کوئی سروکار نہیں۔ ان دونوں کے درمیان درج ذیل چیزیں مابہ الامتیاز ہیں۔

۱۔ انقلابی جدوجہد کا ہدف اجتماعی نظام کو بدلنا ہوتا ہے جبکہ مذہبی تبلیغ میں صرف مذہب بدلنا یعنی عقائد‘ عبادات اور رسومات وغیرہ کی تبدیلی مقصود ہوتی ہے۔

۲۔ انقلابی جدوجہد کسی ایک مقام پر مرکوز رہتی ہے۔ جب تک وہ اس ایک مقام پر کامیاب نہ ہو جائے اس کی توسیع نہیں ہوتی۔ جبکہ مذہبی تبلیغ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اولاً کسی ایک مقام کو ٹارگٹ بنائے بلکہ اسے منتشر انداز میں پھیلا کر سرانجام دینا زیادہ سودمند ہوتا ہے۔

۳۔ انقلابی جدوجہد اولاً معاشرے کے ذہین افراد کو مخاطب کرتی ہے‘ جبکہ مذہبی تبلیغ پسماندہ طبقات کو ہدف بناتی ہے۔ اس لئے کہ جب کسی معاشرے کے ذہین افراد اس انقلابی فلسفہ کے قائل ہو جاتے ہیں تو پھر انہی میں سے ادیب‘ شاعر‘ ڈرامہ نگار‘ افسانہ نویس اپنی تخلیقات کے ذریعے انقلابی فکر کو عوام تک پہنچاتے ہیں۔ جبکہ مذہبی تبلیغ میں پسماندہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا اور اس کے علاج معالجے یا تعلیم وغیرہ کی سہولت فراہم کرنا شامل ہوتا ہے تاکہ ان کے دل میں نرمی پیدا ہو اور وہ ان کا مذہب اختیار کر لیں۔

اس بات کی مزید وضاحت کے ضمن میں ایک اور مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مثلاً ایک درخت اور ایک بیل میں جو فرق ہوتا ہے وہی فرق ان دونوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ کسی درخت کا بیج جب پھوٹتا ہے تو پہلے دن سے اس کا رخ اوپر کی سمت ہوتا ہے‘ پھر پودا اوپر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کا تنا بنتا ہے۔ درخت زمین پر نہیں پھیلتا بلکہ اوپر جا کر پھیلتا ہے۔ اس کی شاخیں دائیں بائیں نکلتی چلی جاتی ہیں۔ جبکہ بیل شروع سے ہی زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اوپر اٹھنا اس کی فطرت ہی میں نہیں ہے۔

اصل میں انقلابی جدوجہد درخت کی مانند ہوتی ہے جبکہ مذہبی تبلیغ کی مثال بیل کی سی ہے۔ اس پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ حضور ﷺ کا طریقہ کار کیا تھا۔ آپؐ نے 12 برس تک مکہ مکرمہ اور اردگرد کے علاقوں کے علاوہ کہیں اپنی دعوت و تبلیغ کا آغاز نہیں کیا۔ جیسا کہ سورۃ شوریٰ میں فرمایا گیا:

> ”اسی طرح ہم نے (اے محمد ﷺ) آپؐ پر یہ قرآن عربی نازل کیا ہے تاکہ آپ مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو خبردار کریں۔“

چنانچہ بارہ برس تک آپ کی دعوت اسی علاقے تک محدود رہی۔ پھر ہجرت کا واقعہ پیش آیا جس کے بعد آپ کی دعوت کا دائرہ عرب کے طول و عرض تک پھیل گیا لیکن چھ برس تک سرزمین عرب کی حدود سے باہر نہیں نکلا۔

6ھ میں صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جنگ کا دور تھوڑے عرصہ کے لئے رک گیا تو حضور ﷺ کی جدوجہد دو گوشوں میں تقسیم ہو گئی۔

i) اندرون ملکِ عرب

ii) بیرون ملک

صلح حدیبیہ کے بعد 7ھ میں خیبر فتح ہو گیا‘ 8ھ میں مکہ فتح ہوا۔ 9ھ میں اعلان کر دیا گیا کہ اگلے سال سے یہاں کوئی مشرک نہیں آئے گا اور اہل قریش کو 4 مہینے کی مہلت دی گئی ہے کہ یا اسلام قبول کر لو یا تمہارا قتل عام شروع ہو جائے گا۔ ایک طرف دعوت کا یہ مرحلہ اندرون ملک یعنی عرب میں جاری تھا۔ جبکہ دوسری طرف آپؐ نے اسی دور میں دعوت کے بیرونی مرحلے کا بھی آغاز فرما دیا۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے اپنے ایلچی اپنے دعوتی خطوط کے ساتھ آس پاس کے فرماں رواؤں کو بھیجنے شروع کئے۔ 6ھ کے آخر میں سب سے پہلے اس وقت کے شاہ حبشہ (نجاشی جو حضور ﷺ پر ایمان لائے تھے وہ فوت ہو چکے تھے) کو خط بھیجا۔ سن 7ھ کے آغاز میں ہرقل قیصر روم کی طرف حضرت وحیہ کلبیؓ کو نامہ مبارک دے [illegible] شہنشاہ ایران خسرو پرویز کی طرف عبداللہؓ ابن حذافہ سہمیؓ کو خط دے کر بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت سپر پاور مملکتیں تھیں۔ خسرو پرویز نے حضور ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا اور سفیر کی بے عزتی کی۔ حضور ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا اس نے میرا خط نہیں پھاڑا بلکہ اپنی سلطنت کے ٹکڑے کر دیئے اور چند ہی سالوں میں نظر آ گیا کہ اتنی عظیم مملکت ریزہ ریزہ ہو گئی۔ ہرقل کا معاملہ مختلف تھا‘ وہ عیسائی عالم تھا۔ اس نے کوشش کی کہ اس کے سارے درباری بھی ایمان لے آئیں تاکہ اس کی حکومت برقرار رہے‘ جیسا کہ 300ء میں اس طرح کا معاملہ ہو چکا تھا کہ پوری رومن ایمپائر عیسائی ہو گئی تھی۔ لہٰذا اس نے حضور ﷺ کا خط ملنے

کے بعد عرب سے آئے ہوئے ایک تجارتی قافلے کو دربار میں طلب کیا۔ ابوسفیان (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) اس تجارتی قافلہ کے سالار تھے۔ قیصر روم نے بھرے دربار میں ان سے سوال و جواب کئے کہ یہ شخص جو تمہارے یہاں نبوت کا دعویٰ کرتا ہے کیا اس کے خاندان میں کبھی کوئی بادشاہت وغیرہ رہی ہے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ اگر یہ بادشاہ کے خاندان سے ہوتا تو سوچتا کہ میں اپنی ایک مملکت قائم کروں۔ اسی طرح اس نے سوالات کئے کہ اس کی تعلیمات کیا ہیں؟ وہ کیا کہتا ہے؟ وغیرہ۔ سارے جواب درحقیقت واضح کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ واقعتاً اللہ کے سچے نبی ہیں۔ لیکن اس پر اس کے درباریوں کی جانب سے غصہ بھری آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ یہ ردعمل دیکھ کر بادشاہ نے خاموشی اختیار کی اور ایمان سے محروم رہ گیا۔ مقوقس شاہ مصر کی طرف حضرت حاتم بن ابی بلتعہؓ کو بھیجا گیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کو شاہ اومان کی طرف بھیجا گیا۔ شام سے متصل عیسائی عرب قبائل کی طرف 15 افراد کا وفد بھیجا گیا۔ لیکن ان سب کو شہید کر دیا گیا صرف وفد کے سربراہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسی علاقے میں شاہ غسان فرماں روا تھا 'اس کے پاس حضور ﷺ نے حارثؓ بن عمیر کو بھیجا' اس بدبخت نے ان کو شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل دراصل اعلان جنگ ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ ابن حارثہ کی سرکردگی میں تین ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر بھیجا جس کا مقابلہ 2 لاکھ کی فوج سے پیش آ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ ابن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیارؓ لشکر کی کمان سنبھال لیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ ابن رواحہؓ انصاری عَلم سنبھال لیں۔ اس کے بعد آپؐ نے کچھ نہ کہا۔ جب وہ تینوں شہید ہو گئے تو از خود حضرت خالدؓ بن ولید نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور وہ فوج کو بچا کر لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے لشکر تیار کیا اور حضور ﷺ کی زندگی کا وہ آخری سفر پیش آیا جسے غزوۂ تبوک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ 30 ہزار کا لشکر لے کر نکلے' اور سلطنت روم کی سرحد پر پڑاؤ ڈالا۔ لیکن شاہ روم مقابلے پر نہ آیا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور رسولؐ کے ساتھ مقابلے کی اس میں تاب نہیں تھی۔ البتہ حضور ﷺ نے وہاں اپنے قیام کے دوران آس پاس کے علاقوں کے لوگوں سے اطاعت کا پیمان لیا اور واپس آ گئے۔ پھر آپؐ مرض وفات میں تھے تو آپؐ نے ایک لشکر حضرت اسامہؓ بن زید کی سربراہی میں تیار کیا۔ یہ لشکر روانہ ہونے والا تھا کہ اطلاع آئی کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا تو وہ لشکر رک گیا۔ بعد میں حضرت ابوبکرؓ نے اس لشکر کو روانہ کیا۔ بہرحال توسیع انقلاب کے مراحل کا آغاز حضور ﷺ کی حیات طیبہ ﷺ کے آخری دور ہی میں ہو گیا تھا۔ لیکن دور خلفاء راشدین میں یہ کام پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھا۔ اسلامی انقلاب کی توسیع اس دور میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے آخری دو سالوں میں عبداللہ ابن سبا نامی یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی پرانی چپقلش کو ہوا دی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور تقریباً ایک لاکھ مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں اور نیزوں سے ہلاک ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ توسیع انقلاب محمدیؐ کا یہ سیلاب رک گیا۔

البتہ قیامت سے قبل یہ عمل مکمل ہو کر رہے گا' جیسا کہ قرآن حکیم کی آیات سے واضح ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے پوری عالم انسانیت کی طرف بھیجا گیا۔ لہٰذا حضور ﷺ کا مقصد بعثت تب ہی پورا ہوگا جب کل عالم انسانیت پر اللہ کا دین قائم ہو جائے۔ لہٰذا قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہونا ہے۔ اس کی خبر خود حضور ﷺ نے ہمیں دی ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے دور سے قیامت تک کے پانچ ادوار گنوائے ہیں۔ یعنی دورہ نبوت' پھر دور خلافت علیٰ منہاج نبوۃ' اس کے بعد ظالم حکومت (ملوکیت) کا دور' پھر غلامی والی ملوکیت اور پھر آخر میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ہوگا' جو عالمی ہوگا۔

اسی بات کو ایک اور حدیث میں یوں واضح فرمایا:

''اس روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا' نہ اونٹ کے بالوں کے بنے ہوئے خیمے 'مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان میں کلمۂ اسلام کو داخل کر دیں گے' چاہے عزت والے کے اعزاز کے ساتھ اور چاہے کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے''۔

یعنی اگر کوئی اسلام قبول نہیں کرے گا تو اسے اسلام کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے ماتحت ہو کر رہنا پڑے گا۔

اس طرح حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ نے میرے لئے ساری زمین لپیٹ دی تو میں نے اس کے سارے مشارق و مغارب دیکھ لئے۔ سن لو میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں میں قائم ہوگی جو زمین لپیٹ کر مجھے دکھائے گئے ہیں۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر اللہ کے دین کو غالب ہونا ہے۔ البتہ یہ نوٹ کیجئے کہ یہ کام ہوگا اسی طور پر جس پر پہلے ہوا تھا۔ اس ضمن میں دو باتیں ذہن میں رکھئے کہ اگر پوری دنیا میں یکدم انقلاب لانا ممکن ہوتا تو حضور ﷺ کے دور میں آ جاتا لیکن یہ اس عالم میں ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا یہ پہلے کسی ایک ملک میں آئے گا پھر اس کی توسیع ہوگی۔ اور دوسرے یہ کہ اس کو برپا کرنے کے لئے طریقہ کار وہی اختیار کرنا ہوگا جو محمد ﷺ نے اختیار کیا تھا۔

حالاتِ حاضرہ:

بھارت کے ایک مندر میں حالیہ قتل عام کا واقعہ پاکستان پر فوج کشی کے لئے بھارتی حکومت کی منصوبہ سازی کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ کر کے ہم اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے بھارت کے ہاتھوں کوئی بڑی سزا ہمارا مقدر بن چکی ہو۔ کیونکہ اب بھارت کا یہ سرکاری بیان آیا ہے کہ وہ پاکستان کے ساتھ جنگ کے آپشن سمیت تمام امکانات پر غور کر رہے ہیں۔ قبل ازیں سونیا گاندھی بھی اسی قسم کی ہرزہ سرائی کر چکی ہے کہ اب پاکستان کا کانٹا نکال دینے کا وقت آ چکا ہے۔ لہٰذا پاکستانی قوم اور حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ دین سے اپنی باغیانہ روش چھوڑ کر اللہ کی جناب میں رجوع کریں' کیا عجب کہ اللہ کی تائید و نصرت ہماری دستگیری فرمائے اور ہم اس کی مدد سے بھارتی عزائم کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں۔

ملکی انتخابات کے حوالے سے تنظیم اسلامی نے متحدہ مجلس عمل کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔ اگرچہ ساجد نقوی اور ساجد میر کی علیحدگی سے متحدہ مجلس عمل میں دراڑیں پڑ گئی ہیں تاہم اب بھی ملک کی بڑی دینی جماعتیں اس اتحاد کا حصہ ہیں۔ دعا ہے کہ انتخابات تک یہ اتحاد برقرار رہے۔ (مرتب: فرقان دانش خان)

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی کے محترم رفیق حاجی محمد نواز سیال صاحب ہرنیہ کے اپریشن کے لئے ہسپتال میں داخل ہیں قارئین ندائے خلافت سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لاَ شِفَاءَ اِلاَّ شِفَاءُكَ شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَمًا

ضرورت رشتہ

☆ دو بہنیں' تعلیم بی اے اور ایل ایل بی' عمر 29 اور 25 سال' ذات مغل بیگ کے لئے دینی گھرانوں سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: فون۔ 6304338

☆ چوبیس سالہ ایم ایس سی ہوم اکنامکس کے لئے دینی گھرانے سے رشتہ درکار ہے' تنظیم کے رفیق کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: مسز ریاض' فون: 5420515

☆ ☆ ☆ ☆

ناخدا بنیں' خدا نہ بنیں

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

انتخابات میں عوام سے سیاست دانوں کے سنہرے وعدے ایک پرانی روایت ہے اور یہ روایت شاید اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود انتخابات کی تاریخ لیکن پاکستان میں پی پی پی کے بانی چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے **1970**ء کے انتخابات میں روٹی کپڑا مکان اور مساوات کا نعرہ لگا کر وعدوں کی اس روایت کو نئی جہت دی۔ عوام کو پہلی بار یہ تاثر ملا کہ ان کا ووٹ انقلاب برپا کرسکتا ہے اور عوامی حکومت یعنی ان کی اپنی حکومت قائم ہو جائے گی طبقاتی تقسیم ختم ہو جائے گی اور غریب آدمی وڈیروں اور سرمایہ داروں کے استحصالی ہتھکنڈوں سے نجات حاصل کر کے معاشرے میں اپنا صحیح مقام حاصل کرسکے گا۔ ترقی کے مواقع سب کو یکساں میسر ہوں گے۔ **1970**ء کے انتخابات پہلے انتخابات تھے جس میں کسی لیڈر نے عوام کے ساتھ ایسے انقلابی وعدے کئے تھے لہٰذا عوام کی بہت بڑی اکثریت نے ان وعدوں پر اعتماد کیا اور تلوار کے نشان پر آنکھیں بند کر کے مہر لگا دی۔ اکثر دینی جماعتوں نے روٹی کپڑا مکان کی فراہمی کے وعدے کو شرک اور کفر سے تعبیر کیا اور اسے خدائی امور میں مداخلت قرار دیا اگرچہ تنظیم اسلامی کا اس وقت یہ موقف تھا کہ بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ایک اچھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اگر کوئی خلوص نیت سے عوام کی حالت بہتر بنانا چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں رازق اور مالک حقیقی یقیناً صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے اور وہی مسبب الاسباب ہے لیکن اسباب کی فراہمی کے لئے بھاگ دوڑ کرنا انسان کے ذمہ ہے۔ بالکل اسی طرح کہ اللہ خود کو خیر الرازقین بھی قرار دیتا ہے اور رزق تلاش کرنے کی ترغیب بلکہ حکم بھی دیتا ہے چنانچہ اللہ کو رازق تسلیم کرتے ہوئے ہم میں سے کوئی اینٹیں ڈھو رہا ہے اور کوئی دکان پر گھنٹوں گاہک کا منتظر رہتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر کوئی لیڈر حکمران بن کر بنیادی ضروریات کی فراہمی کا وعدہ کر رہا ہے تو اس میں شرک اور کفر کا کوئی عنصر دکھائی نہیں دیتا' اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس زمانے میں پاکستان کی معاشی حالت ایسی دگرگوں نہیں تھی کہ ان وعدوں کو پورا کرنا عقلی سطح پر ناممکن سمجھا جاتا یہ بات بالکل الگ ہے کہ مذکورہ لیڈر اور اس کی جماعت نے ان وعدوں کا کیا حشر کیا تھا جس پر یہ تبصرہ انتہائی معقول اور درست سمجھا جاتا ہے کہ غریب عوام کو روٹی کی بجائے گولی کپڑے کی بجائے کفن اور مکان کی بجائے قبر نصیب ہوئی۔

1970ء کے بعد ستائیس سالوں میں چھ انتخابات ہو چکے ہیں ان انتخابات میں پی پی پی اور پاکستان مسلم لیگ میں زیادہ تر مقابلہ رہا لیکن انتخابات میں زبردست مقابلہ اور بدترین محاذ آرائی کے باوجود ایسے وعدے نہیں کئے گئے تھے جن کا پورا کیا جانا بعید از عقل دکھائی دیتا ہو یا وہ قطعی طور پر ناممکن العمل ہوں لیکن پھر بھی شاید ہی کوئی وعدہ ہو جو شرمندۂ تعبیر ہوا ہو۔ لیکن الیکشن **2002**ء میں سیاست دانوں اور جماعتوں کی طرف سے ایسے ایسے نعرے سننے میں آ رہے ہیں اور عوام سے ایسے ایسے وعدے کئے جا رہے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زمینی حقائق اور اصل صورت حال کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ خوش کن نعروں اور دلفریب وعدوں کی بدولت جو **1970**ء میں ایک لیڈر کو کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کی اندھا دھند نقل کی جا رہی ہے۔ بلکہ بہت سے لیڈر لاف بازی میں بھٹو اور اس کی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور جو منہ میں آئے کہے جا رہے ہیں ایسے وعدے جو وسائل سے مالا مال ممالک کے لیڈر بھی اپنی قوم سے کرنے سے اجتناب برتتے ہیں وہ دھڑلے سے کئے جا رہے ہیں۔ مثلاً غیر ملکی قرضے تو میں اپنے بریف کیس سے ادا کر دوں گا۔ ہم حکومت حاصل کر کے خود جھونپڑوں میں رہیں گے اور غریبوں کو محلات میں رکھیں گے موجودہ عدالتی نظام کو ہی برقرار رکھتے ہوئے عوام کو ان کی دہلیز پر انصاف فراہم کیا جائے گا ہم آزاد خارجہ پالیسی بنائیں گے اور کسی سپر پاور کو خاطر میں نہیں لائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ عوام میں مقبول لیڈروں کی ملک میں عدم موجودگی اور انتخابات سے آؤٹ ہونے کی وجہ سے مقبولیت کے لحاظ سے صف دوم کا ہر لیڈر اقتدار کی لیلیٰ سے ملاپ کے لئے مجنوں ہوا جاتا ہے۔ ہر لیڈر کا انداز ظاہر کر رہا ہے کہ بعد میں نتائج کیسے ہی تباہ کن کیوں نہ برآمد ہوں ایک مرتبہ اقتدار ہاتھ لگ جائے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سب پر دیوانگی طاری ہوگئی ہے۔

ہمارے قابل احترام لیڈران کو احساس کرنا چاہئے کہ وطن عزیز پاکستان داخلی اور خارجی سطح پر کتنے خوفناک مسائل سے دوچار ہے۔ ملک میں ان لوگوں میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ بارشوں کی کمی اور ڈیموں کی تعمیر سیاست کی نظر ہونے کی وجہ سے زراعت بدحالی کا شکار ہے' ملکی معیشت کا راز صنعت کی ترقی میں مضمر ہوتا ہے لیکن سیاسی عدم استحکام اور دہشت گردی کے واقعات سے صنعت کا پہیہ بری طرح جام ہو چکا ہے غیر ملکی سرمایہ کار کے آنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ملکی سرمایہ کار باہر کا رخ کر رہا ہے جس سے بیروزگاری عام ہو رہی ہے اور مہنگائی کے ہاتھوں مجبور مائیں بچوں سمیت خودکشیاں کر رہی ہیں۔ ہر محکمہ میں کرپشن اور بدنظمی موجود وسائل کو بھی تباہ و برباد کر رہی ہے۔ قرضوں کی ری شیڈولنگ نے عارضی طور پر نیم مردہ معیشت کو بیساکھیوں پر کھڑا کیا ہے لیکن مستقبل میں اس کے نتائج بہت تباہ کن ثابت ہوں گے۔ عالمی اور خارجی سطح پر صورت حال کہیں زیادہ خطرناک ہے دنیا ہمیں دہشت گرد قوم سمجھنے لگی ہے ہمارا ازلی دشمن کیل کانٹے سے لیس اپنی افواج کو سرحدوں پر لے آیا ہے اور اسے امریکی شہہ اور اسرائیل کی سرپرستی حاصل ہے۔ وہ پاکستان کا کانٹا نکالنے پر متفق نظر آتے ہیں صرف ٹائمنگ میں اختلاف نظر آتا ہے بھارت اور اسرائیل جلدی میں ہیں البتہ امریکہ کی علاقہ میں کچھ اپنی مجبوریاں ہیں جس کے لئے اسے وقت درکار ہے۔ جس ملک کو سیاسی امیدوار حضرات جنت کا نمونہ بنا دینے کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ ایسے مقام پر کھڑا ہے جس کے ایک طرف کھوہ اور دوسری طرف کھائی ہے ذرا سی لغزش اس کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ ہماری رائے میں اس وقت بڑے سے بڑا اجغادری اس سے بڑا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا کہ اگر عوام نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تو وہ ملک کو اس گرداب میں جس میں وہ اس وقت پھنسا ہوا ہے باعزت طریقے سے نکال کر لے جانے کی مقدور بھر کوشش کرے گا۔ دودھ اور شہد کی نہریں بہا دینے والے ان امیدواران حکومت سے درخواست ہے کہ وہ ہواؤں میں اڑنے کی بجائے زمین پر پاؤں جمانے کی کوشش کریں وہ پاکستانیوں کے ناخدا بنیں خدا نہ بنیں۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

پانچواں کالم

رعنا ہاشم خان

سابقہ امریکی فیشن ماڈل کاسٹینس میکڈونلڈ نے 1990ء میں جب کیٹ واک اور فوٹو سیشن کی دنیا کو خیر باد کہہ کے اسلام قبول کیا تو مغربی پریس نے اس معاملے میں مکمل خاموشی اختیار کئے رکھی۔ چنانچہ اس نومسلمہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی خبر امریکہ کے اسلامی میڈیا کے ذریعے شہرت پاسکی۔ یہ مشہور ماڈل جو آئے دن میڈیا کی زینت بنا کرتی تھی اس لئے مغربی پریس نے پس پردہ بھیج دی تا کہ اس کے اسلامک لیبل اور حجاب کی پبلسٹی کہیں امریکن خواتین پر مثبت اثرات نہ مرتب کر ڈالے اور یوں مغرب کی ''وومن آف حجاب'' کے خلاف جنگ میں رخنہ نہ پیدا ہو جائے۔ ایک مشہور انگریزی مقولہ ہے کہ اگر عورت کو یہ ادراک ہو جائے کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں برتا جا رہا تو اس کے غصے کے آگے بند باندھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسی غضب سے بچنے کے لئے مغرب کی حجاب کے خلاف جنگ مسلسل جاری ہے۔ کیونکہ مغرب اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر مغربی خواتین ان محرکات تک پہنچ جائیں جو ان کی بے جا آزادی کے پیچھے کارفرما ہیں تو ان خواتین کی جنگ مغرب کے خلاف شروع ہو جائے گی۔

مغربی میڈیا کا ہمیشہ سے ہی یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ خاتونِ مسلم کے پردے اور حجاب پر غیر مسلموں اور سیکولر مسلموں کی طرف سے رکیک حملوں کی تشہیر کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ ٹائم میگزین' نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ جیسے ناموراخبار و جرائد پردے اور حجاب کے خلاف ہزیان بکنے اور لکھنے والے نام نہاد دانشوروں' ادیبوں اور قلم کاروں کی ایسی تمام تحریروں کو جن میں اسلامی شعائر کو تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے نمایاں طور پر شائع کرتے ہیں۔ مغرب کی حجاب کے خلاف اس جنگ کے پیچھے یوں تو کئی عوامل کارفرما ہیں لیکن اس کا سب سے بڑا اور اہم سبب فیشن' سگریٹ اور دیگر کمپنیوں کا اپنی پراڈکٹس کو کامیاب بنانے کے لئے مغربی خواتین کو بطورِ سیڑھی استعمال کرنا ہے۔ کرافٹ سے لے کر کمپیوٹر تک ہر چیز کے اشتہار میں خواتین براجمان دکھائی دیتی ہیں۔ مردِ مغرب نے انتہائی ہوشیاری کے ساتھ خاتونِ مغرب کو اپنی آنکھوں کو سینکنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ مرد فیشن ڈیزائنر خواتین کے لباس کو ڈیزائن کرتے وقت صرف اس چیز پر توجہ دیتے ہیں کہ آؤٹ فٹ ایسا ہو جو مرد کی خوشی اور اٹریکشن حاصل کرنے کا باعث بن سکے اور یوں آج امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں خواتین کی بے جا آزادی اور مردوں کے ساتھ آزادانہ میل ملاپ کے بموجب نہ صرف خاندانی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے بلکہ جائز اور قانونی بچوں کی ولادت اب ان ممالک میں endangered species کا روپ دھار چکی ہے۔ امریکہ میں ہر تین میں سے ایک بچہ غیر قانونی ہوتا ہے۔ 50 فیصدی سے زیادہ بچوں کے برتھ سرٹیفکیٹ میں ولدیت کے خانے میں unknown درج ہوتا ہے۔

امریکہ کے تعلیمی ادارے اور درس گاہیں بھی ایک انتہائی خوفناک پکچر پیش کر رہی ہیں۔ یہاں مرد اساتذہ طالبات سے کہتے ہیں کہ اگر وہ ان کی مذموم خواہشات پوری کرتی رہیں تو ان کو ہر امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیاب کیا جاتا رہے گا۔ Higher Marks حاصل کرنے کے شوق میں ٹین ایجر لڑکیوں کی اکثریت بآسانی بے وقوف بن جاتی ہے۔ یہاں نہایت اونچے اور اہم عہدوں پر فائز خواتین بھی اپنے ساتھی مردوں کی طرف سے قطعاً غیر محفوظ ہوتی ہیں جن میں پارلیمنٹ تک شامل ہے۔ جب یہاں اعلیٰ دفاتر کا یہ حال ہے تو عام کمپنیوں اور جگہوں پر صورتحال کیا ہو سکتی ہے یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں ہے۔ ''شولڈر۔ٹو۔شولڈر'' کے دلآویز نعرے نے خاتونِ مغرب کو کوڑیوں کے مول فروخت کیا ہے۔ مغربی خواتین کہتی تو یہی ہیں کہ ہمیں ہمارے حسن کے بجائے ہماری ذہانت کے بل پر پہچانا جائے لیکن کرتی بالکل اس کا الٹ ہیں۔ سلمنگ سینٹر' سگریٹ' بیئر پروڈکٹس' بیوٹی شاپس اور تمام کا تمام فیشن ایونیو ان ہی کے دم قدم سے آباد ہے۔ تمام کی تمام امریکی معیشت میں خواتین اپنی ذہانت اور قابلیت کے بل بوتے پر نہیں بلکہ اپنی فگر کی بدولت ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں۔ خاتونِ مغرب کی اس بے وقعتی سے منشیات' ہالی ووڈ اور فیشن انڈسٹری بامِ عروج پر ہے۔ خاندانی پس منظر اور تناؤ سے بھرپور زندگی اس کو یہ سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دیتی کہ مسلمان خواتین کو مردوں کے ظلم و ستم کا شکار گردانے والی دراصل خود مردوں کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج حجاب اور پردے کے خلاف مغربی مرد بڑھ چڑھ کر بولتے ہیں۔ وہ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ مغربی خواتین پاور فل ہیں' لبرل ہیں' پرکشش ہیں جبکہ وومن آف حجاب کو دباؤ کا شکار اور بے چارگی کے سمبل کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔

حجاب کے خلاف مغرب کی مثال ان چمگادڑوں اور پیراسائٹس کی سی ہے جو درختوں سے الٹی لٹک کر حجابی خواتین کو ویمپائر سمجھ رہی ہیں اور ان کا خون چوسنے کو تیار ہیں۔ باحجاب مسلمان خواتین ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں لہٰذا یہ حجاب مخالف تصانیف لکھتے ہیں' سیمینار منعقد کرتے ہیں' ٹاک شوز نشر کئے جاتے ہیں جن میں مسلمانوں کو پانچواں کالم قرار دیا جاتا ہے یعنی مسلمان یہاں کے نامطلوب شہری ہیں لہٰذا انہیں یہاں سے نکالا جائے کہ کہیں یہ یہاں ڈکٹیٹوریل گورنمنٹ آف اسلامک لاء نہ قائم کر دیں اور چونکہ بقول ان کے اسلام خواتین کے معاملے میں ''تشدد'' ہے لہٰذا

"Muslims should be encouraged to leave. They are a "FIFTH COLUMN" in this Country."

داعی و مؤسس تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کی نئی کتاب

ختم نبوت کے دو مفہوم

اور

تکمیل رسالت کے عملی تقاضے

شائع ہوگئی ہے۔ کل صفحات 48 ' قیمت 12 روپے

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی 36- کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

کیا امریکی سامراج ناقابلِ تسخیر ہے؟

مذکورہ بالاعنوان کے تحت 13 ستمبر 2002ء کے نوائے وقت میں شائع شدہ عبداللہ ملک کے کالم کے جواب میں تنظیم اسلامی لاہور کے امیر جناب مرزا ایوب بیگ نے ایک تحریر لکھی جو نوائے وقت میں شائع ہوئی۔ ذیل میں قارئین کی دلچسپی کے لئے جناب عبداللہ ملک کا یہ کالم اور جناب مرزا ایوب بیگ کی جوابی تحریر شائع کی جا رہی ہے (ادارہ)

کیا امریکی سامراج ناقابلِ تسخیر ہے؟ یہ سوال دراصل میرے ذہن میں پچھلے دنوں عزیزم سید مشاہد حسین کا کالم "امریکہ کی عراق کے خلاف سٹریٹجی" پڑھ کر ابھرا۔ وہ لکھتے ہیں: "افغانستان اور فلسطین میں طوفانی حالات کی آزمائش سے گزرنے اور مسلم ممالک اور عوام کے ردعمل کا جائزہ لینے کے بعد اقوام متحدہ کی پالیسی تشکیل دینے والوں کے حوصلے بلند ہوگئے ہیں۔ شاید ان کا خیال ہے کہ جس طرح طالبان کو فوجی قوت سے کچل دیا گیا ہے اور یاسر عرفات کے قد وقامت میں بآسانی قطع وبرید کردی گئی ہے اسی طرح بغداد کی حکومت کو بھی فوجی طاقت سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

مشاہد حسین نے ایک ہی سانس میں جس انداز سے طالبان کی فوجی قوت اور یاسر عرفات کے قد وقامت میں بآسانی قطع وبرید کرنے کا ذکر کیا ہے وہ بنیادی طور پر درست نہیں۔ اولاً طالبان کی فوجی قوت اور القاعدہ تحریک کے عالمی کردار اور یاسر عرفات کے قد کاٹھ کو ایک ہی سطح پر رکھ کر پرکھا نہیں جا سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ طالبان جس کی سرپرستی سعودی عرب سے جنم لینے والی القاعدہ کی تحریک کر رہی تھی، پہلے دن سے ہی عالمی سطح پر "نکو" بنی رہی۔ چنانچہ اس کا سب سے بڑا ثبوت کہ طالبان کی افغان حکومت کو سوائے پاکستان، سعودی عرب اور متحدہ خلیجی امارات کے کسی ملک نے تسلیم نہیں کیا اور سعودی عرب کے وزیر داخلہ اور ان کی خفیہ ایجنسیوں کے سربراہ ریکارڈ پر ہیں کہ انہوں نے طالبان کی حکومت کو پاکستان کی حکومت کے اصرار پر تسلیم کیا تھا۔ دوسرے طالبان اور القاعدہ نے جس طرز کی اسلامی حکومت کا چرچا کیا اس نے ایک عالم کو چونکا دیا اور خود دنیا بھر کی مسلم حکومتوں نے بھی اس متشددانہ طرز کے اسلامی نظام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور تو اور افغانستان کے اپنے مسلم ہمسایہ ممالک کے عوام نے بھی خاصی بلند آواز سے اس متشددانہ نظام کو رد کر دیا۔ پاکستان میں صرف حکومت اور چند دینی جماعتوں کے قائدین نے ہی اس متشددانہ نظام حکومت کو شرف قبولیت بخشا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس انداز سے طالبان نے شیعہ آبادی کو تہ تیغ کیا اور مظالم کا نشانہ بنایا اس نے ایران کی حکومت کو شدید حد تک چوکنا کر دیا اور پھر عورتوں کے ساتھ ان کے سلوک نے پوری مغربی دنیا اور دنیا بھر کی خواتین کے حقوق کی علمبردار تنظیموں کو طالبان کی حکومت کے خلاف صف آراء کر دیا اور اس میں سب سے پیش پیش امریکی خاتون اول ہیلری تھیں۔

اس پر مستزاد یہ ہوا کہ طالبان کی حکومت نے مہاتما بدھ کے بتوں کو مسمار کر کے ایک عالم کو یہ باور کروا دیا کہ وہ واقعی ایک ایسے نظام کے داعی ہیں جو آج کی دنیا کو قبول نہیں۔ اور تو اور خود حکومت پاکستان جو اس طالبان حکومت کی سب سے بڑی حامی متصور ہوتی تھی، اس کے عمائدین نے بھی طالبان حکومت کو بدھا کے بتوں کی مسماری سے روکنے کی انتھک کوشش کی لیکن کسی کی بات نہ سنی گئی۔

ان تمام اقدامات نے طالبان کی حکومت اور ساتھ ہی خود پاکستان کو عالمی برادری میں یکہ وتنہا کر دیا وران حالات میں جب 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ کے ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گان پر حملے ہوئے تو امریکہ کو افغانستان اور القاعدہ کے خلاف عالمی کولیشن ترتیب دینے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی، اور یہی وہ تنہائی کی فضا تھی جس سے جان چھڑانے اور اپنی گردن بچانے کے لئے جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکومت نے امریکی قائم کردہ کولیشن میں شمولیت کی فوراً حامی بھر لی اور تمام پرانی طالبان القاعدہ حمایت کے خلاف امریکی اقدام کی حمایت میں پیش پیش نظر آنے لگی۔

اب رہا یہ کہ امریکہ اور اس کی دہشت گردی کے خلاف عالمی کولیشن کے اس پورے عمل کو جسے اب قریب قریب ایک سال ہونے کو آیا ہے اس پورے عرصے میں کتنی کامیابی ہوئی ہے؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ خود بقول صدر بش کے اس جنگ میں مہینوں اور سالوں لگ سکتے ہیں۔ یہ عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ جو ہشت پہلو ہے اس کو پورے عالمی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی تناظر میں دیکھنا چاہئے اور اس کو فلسطین اور یاسر عرفات کے ساتھ ایک ہی سانس میں ہم آہنگ نہیں کر دینا چاہئے۔ یاسر عرفات اور اس کی تنظیم پی ایل او کو کسی سامراج یا اس کی حامی حکومت نے Proxy جنگ کے لئے آگے نہیں بڑھایا تھا جبکہ ہم خود اور ہماری تمام پیدا اور تشکیل کردہ جہادی تنظیمیں امریکہ کی پیدا کردہ تھیں اور ہم جو پہلی بار 1979ء میں فرنٹ لائن سٹیٹ بننے پر آمادہ ہوئے تو اس وقت سے لے لر اب تک ہم جس دلدل میں دھنستے چلے گئے ہیں، یہ اندرون ملک کی دہشت گردی، کلاشنکوف کلچر اور منشیات کے استعمال کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ یہ سب اسی پہلی بار فرنٹ لائن بننے اور Proxy جنگ میں ملوث ہونے کا شاخسانہ ہے۔

یہ پوری جنگ جس میں ہم نے اپنے آپ کو پہلی بار 1979ء میں ملوث کیا، وہ روس کے خلاف نہیں تھی کیونکہ روس تو آج بھی موجود ہے اور وہ سپر پاور نہیں ہے لیکن امریکہ کو ہر قدم پر روس سے صلاح مشورہ کرنا پڑتا ہے اور خود ہم بھی روس سے تعلقات بہتر بنانے کے لئے پورے پورے جتن کر رہے ہیں۔ یہ جنگ جو امریکہ اور مغرب نے اس وقت ہمارے ذریعے لڑی وہ دراصل سوویت یونین کی سوشلسٹ حکومت یا نظام کے خلاف تھی کیونکہ اصل جنگ فری مارکیٹ اکانومی اور منصوبہ بند معاشیات کے درمیان تھی۔ آج ہمارے دینی قائدین جو ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے لتے لیتے ہیں اور ان کے حامیوں کو سیکولر اور امریکی ایجنٹ کہتے نہیں تھکتے، یہ 1979ء میں کہاں تھے؟

پچھلے ایک دو ماہ میں جس تیزی کے ساتھ امریکہ کی سب سے بڑی تجارتی کمپنیاں دیوالیہ ہوئی ہیں اس نے امریکی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے قبائلی سرداروں اور وڈیروں کی طرح امریکہ نے خود اپنے ہاں کے عوام کو اس قدر جاہل رکھا ہوا ہے کہ ان کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہم تیسری دنیا کے لوگ امریکی تجارتی اداروں کے لالچ کا شکار بنتے ہیں اس طرح امریکی خود بھی انہی کمپنیوں کے مظالم کا شکار بن رہے ہیں کیونکہ آخر یہ تجارتی کمپنیاں عام لوگوں کے ہاتھوں اپنے حصص فروخت کر کے اپنے کاروبار کے لئے سرمایہ مہیا کرتی ہیں اور ان کو لالچ یہ ہوتا ہے کہ ان حصص کے منافع سے وہ اپنی زندگی کو خوشحال بنا سکیں گے یا اپنا بڑھاپا بہتر انداز میں بسر کر سکیں گے۔ پچھلے دنوں امریکی صدر سے جب پوچھا گیا کہ جب سے آپ نے اقتدار سنبھالا ہے ہے اس وقت سے لے کر اب تک 3 کروڑ 70 لاکھ امریکی شہری اپنی آئی آر اے حسابات میں 50 فیصد کا نقصان اٹھا چکے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو امریکی صدر نے اس سوال کا برا مناتے ہوئے جواب دیا "ہمیں اس وقت تمام توجہ دہشت گردی کے خلاف جنگ پر دینی چاہئے"۔

پچھلے چند مہینوں میں جس تیزی کے ساتھ امریکی معیشت کساد بازاری کا شکار ہو رہی ہے اس پر معاشیات کے کسی ماہر کو تجزیہ کر کے لوگوں کو بتانا چاہئے کہ زیادہ دنوں امریکی معیشت عالمی دہشت گردی کی مخالفت کے نام پر اپنی دہشت گردی کے جاری رکھنے کے قابل رہ بھی سکے گی یا نہیں؟

مرزا ایوب بیگ کی جوابی تحریر

محترم اور بزرگ کالم نویس عبداللہ ملک صاحب جو نوائے وقت میں حدیث دل کے عنوان سے لکھتے ہیں انہوں نے 13 ستمبر کے اپنے کالم ''کیا امریکی سامراج ناقابل تسخیر ہے؟'' میں سارا زور قلم امریکی سامراج کے ناقابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے پر صرف کرنے کی بجائے امریکی سامراج کے زخم خوردہ طالبان کے (بقول ملک صاحب) متشددانہ اسلامی نظام کی مذمت کرنے پر صرف کیا ہے۔ ملک صاحب کو مشاہد حسین کا طالبان اور یاسر عرفات کو ایک صف میں کھڑا کر دینا سخت ناگوار گزرا ہے۔ ملک صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ راقم اگرچہ طالبان کے افغانستان کو آئیڈیل اسلامی فلاحی ریاست تسلیم نہیں کرتا تھا' لیکن وہ ایک اسلامی ریاست کے کم از کم تقاضے پورے کر رہے تھے۔ ملک صاحب کی زندگی سفید (امریکی + یورپی) سامراج کے خلاف جہاد کرتے ہوئے گزری لیکن وہ خود بھی یورپ و امریکہ کے مذموم پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے۔ طالبان سے یقیناً غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی اس لئے کہ بہرحال وہ انسان تھے لیکن آپ کن حالات و واقعات کو بنیاد بنا کر ان پر متشدد ہونے کا الزام لگا رہے ہیں' ان کی وضاحت ضروری ہے۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے طالبان سے قرآن اور سنت کے خلاف کون سا عمل سرزد ہوا؟ عورت کو شمع محفل بنانا' اسے کاروباری مقاصد کے لئے تشہیری میٹریل بنانا اسلام کے نزدیک توہین نسوانیت ہے۔ sex free معاشرے کے قیام سے وہاں کا خاندانی نظام جس بری طرح برباد ہوا ہے اس کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔ یقیناً ایسی بے ہودہ حرکات کی اجازت طالبان کے دور میں نہیں دی جا سکتی تھیں۔ وہ برطانوی خاتون صحافی جو طالبان کی قید میں رہی اس نے جو کچھ دنیا کو بتایا اس کا تقاضا یہ تھا کہ دنیا خواتین کے احترام کا سبق طالبان سے سیکھتی۔ یاد رہے طالبان کے حسن سلوک سے یہ خاتون مسلمان ہو چکی ہے۔ دشمنان اسلام تو ایک خاص منصوبہ بندی سے طالبان کے خلاف شور وغوغا کرتے ہیں لیکن ہمارے ہاں کے دانشور بلا سوچے سمجھے اس رو میں بہہ جاتے ہیں۔ جہاں تک بتوں کو مسمار کرنے کا معاملہ ہے تو کون نہیں جانتا کہ اقلیتوں کی جان' مال' عزت اور عبادت گاہوں کا تحفظ اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ لیکن اسلام نے اس کا کچھ طریقہ کار طے کیا ہے۔ مثلاً اسلامی ریاست کسی غیر مسلم کو مذہب تبدیل کرنے کے لئے دباؤ نہیں ڈال سکتی' یہ معاملہ خالصتاً فرد کی آزاد مرضی پر چھوڑا گیا ہے لیکن جب کوئی شخص آزاد مرضی سے مسلمان ہونے کے بعد اسلام ترک کر دیتا ہے تو وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔ اسی طرح ہر غیر مسلم اپنی عبادت گاہ کے اندر اپنی آزاد مرضی سے پوجا پاٹ کر سکتا ہے لیکن وہ کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتا اور نہ ہی پوجا پاٹ کا سامان یعنی بت وغیرہ کی عبادت گاہ سے باہر نمائش کر سکتا ہے۔ طالبان نے جو بت شکنی کی تھی' وہ بت کسی عبادت گاہ کے اندر نہیں تھے اور نہ ہی اب ان بتوں کا ایک بھی پجاری افغانستان میں رہائش پذیر تھا لہٰذا اسی اصول کی بنیاد پر یہ بت مسمار کئے گئے۔

محترم ملک صاحب! آج یاسر عرفات بے چارے کی جو درگت بن رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سفید سامراج تو اس کا شروع سے ہی دشمن تھا' سرخ سامراج نے عین وقت پر اس کو دھوکہ دیا لہٰذا وہ اوسلو معاہدے کی ذلت کو قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یاد رہے امریکہ اور سابقہ سوویت یونین جب مقابلے اور دشمنی کی معراج کو پہنچے ہوئے تھے تب بھی مسلم دشمنی میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے۔ 1967ء اور 1973ء کی عرب اسرائیل جنگ اور معاہدہ تاشقند وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ ملک صاحب کا کہنا بالکل درست ہے کہ پاکستانی لوگوں نے افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف پراکسی وار لڑی لیکن آپ سے توقع تھی کہ آپ اس کی بنیادی وجوہات پر بھی غور کریں گے۔ سوویت یونین مذہب کا کھلا دشمن تھا۔ 1917ء کے بعد سنٹرل ایشیا کی ریاستوں میں مسلمانوں پر جو ظلم وستم سرخ سامراج نے ڈھائے' وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ اسی لئے سفید سامراج نے مذہب دوستی کا روپ دھار کر ظاہراً سوویت یونین اور حقیقتاً کمیونزم کے خلاف جنگ میں پاکستانی مسلمانوں کو استعمال کیا۔ آخر میں ایک بات عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کمیونزم کا 70 سال میں ملیامیٹ ہو جانا صرف اس پراکسی وار کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس نظام کا کھوکھلا پن اور غیر فطری بنیادوں پر استوار ہونا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت مصنوعی نظاموں کے درمیان فٹ بال بنی ہوئی ہے۔ کبھی ملوکیت کی ٹھوکر کھا کر سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی گود میں جا گرتی ہے اور کبھی کمیونزم کے ظلم سہتی ہے۔ حقیقی آسمانی نظام کی پناہ میں آئے بغیر دنیا اسی طرح دوزخ بنی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

نکل جاتی ہے سچی بات.....

امریکہ 11 ستمبر کے واقعات کا جزوی طور پر ذمہ دار ہے

ہم مغربی ممالک متکبر' لالچی اور خودغرض ہیں ○ وزیراعظم کینیڈا کی تقریر

کینیڈا کے وزیراعظم جین کریٹن نے کہا ہے کہ امریکہ سمیت مغربی ممالک کا لالچ اور تکبر بھی 11 ستمبر کے خوفناک حملے جیسے واقعات کی ایک بڑی وجہ ہے۔ سی بی ایس ٹی وی سے انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ مغرب کے اس بلا روک ٹوک لالچ اور کارروائیوں کے نتائج آئندہ 30,20 سال تک محسوس کئے جائیں گے۔ ہم اس وقت بے حد متکبر' مغرور' لالچی اور خودغرض سمجھتے جاتے ہیں اور 11 ستمبر کے واقعہ نے مجھے اس کا اور بھی احساس دلایا ہے۔ انہوں نے انٹرویو میں امریکہ کو جزوی طور پر 11 ستمبر کے حملوں کا ذمہ دار قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ طاقت کو اس حد تک استعمال نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے دوسروں کی ہتک ہو۔ تاریخ طاقت کے ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جنہیں دبایا نہیں گیا۔ ایک لمحہ وہ بھی ہوتا ہے جہاں آ کر آپ کو رک جانا چاہئے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جب آپ اس قدر طاقتور ہو جائیں تو پھر آپ کو عمدگی اختیار کرنی چاہئے۔ آپ اپنی قوت اور طاقت کو دوسروں کی بے عزتی کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ نہ صرف امریکہ بلکہ پوری مغربی دنیا کو اسے محسوس کرنا چاہئے کیونکہ وہ بھی انسان ہیں۔ اگر آپ نے حقیقت کا ادراک نہ کیا تو آئندہ 10 سے 30 سال تک آپ کو نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ اس دستاویزی فلم میں کینیڈین وزیراعظم نے انکشاف کیا کہ انہوں نے اس بات کا اختیار دے دیا تھا کہ 11 ستمبر 2001ء کی سہ پہر اگر کوریا کا مسافر طیارہ وینکوریا ٹورنٹو کی طرف آتا دکھائی دے تو اسے کینیڈا کی فضاؤں کے باہر ہی تباہ کر دیا جائے۔ سی بی سی فلم میں کورین ایئر کے 300 مسافر بردار 747 جیٹ کی یوکون میں ''ٹینس لینڈنگ'' بھی روشنی ڈالی۔ یہ تصور کیا گیا تھا کہ یہ طیارہ ہائی جیک ہو چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں علم ہے کہ انہیں ایسے فیصلہ کا سامنا ہے جس پر شاید وہ عمر بھر افسوس کرتے رہیں۔ اگر آپ سے کہا جائے کہ کوئی طیارہ ٹورنٹو آ کر ہزاروں لوگوں کی تباہی کا سبب بنے گا تو پھر آپ کے سامنے اور کوئی چوائس نہیں۔ یقیناً میں 300 افراد کے قتل کا ذمہ دار بنتا۔ انہوں نے کہا کہ کینیڈا کے CF-18 طیارے اسے نہیں پکڑ سکتے تھے اس لئے میں نے امریکی طیاروں کو اختیار دیا تھا کہ اگر یہ طیارہ جارحانہ نقل وحرکت کرے تو اسے تباہ کر دیا جائے۔

(نوائے وقت' 12 ستمبر 2002ء)

دوسروں پر تنقید کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ہے

محمد سمیع' کراچی

یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب میں انشورنس کمپنی میں کام کیا کرتا تھا۔ دن بھر بریف کیس ہاتھ میں لے کر مارکیٹ کے چکر لگانا اور پارٹیوں کو درآمد و برآمد کردہ مال' ان کے کارخانوں' دوکانوں' گودام اور گاڑیوں کے انشورنس پر آمادہ کرنا میرے فرائض میں شامل تھا۔ ایک بار ایک پارٹی کے پاس پہلی بار پہنچا تو ہماری کمپنی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اس نے پوچھا کہ فلاں کمپنی کیسی ہے۔ میں نے کہا کہ اچھی ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا کہ اور فلاں کمپنی؟ میں نے کہا کہ وہ بھی بہت اچھی ہے۔ اس طرح انہوں نے کئی انشورنس کمپنیوں کے بارے میں دریافت کیا اور میں انہیں جواب میں یہی کہتا رہا کہ یہ بھی اچھی کمپنی ہے۔ کہنے لگے کہ جب ساری کمپنیاں اچھی ہیں تو خراب کون سی ہے۔ میں نے جواب دیا وہ کمپنی جہاں آپ کا کلیم رک جائے۔ انشورنس دوسرے معاہدوں کی طرح ایک معاہدہ ہے اور کوئی معاہدہ غیر مشروط نہیں ہوتا۔ اب اگر کسی شرط کے تحت آپ کا کلیم رک جائے تو وہ کمپنی آپ کے لئے بہت خراب ہوتی ہے چاہے مارکیٹ میں اس کی کتنی ہی اچھی ساکھ کیوں نہ ہو۔ میری اس صاف گوئی نے انہیں بہت متاثر کیا اور وہ میرے اچھے موکلوں میں شامل ہو گئے۔ دراصل بات یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں پر تنقید کر کے وہ اپنے موکلوں کی ہمدردی حاصل کر سکتے ہیں جو بعد ازاں' ان کے بزنس میں اضافہ کا سبب بن سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بات اصلاً درست نہیں۔

دعوت دین کا کام کرنے کے باعث ایک طرح سے ہم بھی سیلز مین ہیں۔ کہتے ہیں کہ دنیا کا مشکل ترین کام انشورنس بیچنا ہے کیونکہ ایک انشورنس ایجنٹ پریمیم کے عوض صرف ایک وعدہ بیچتا ہے اور مبادلہ میں ایک کاغذ دیتا ہے جس کو انشورنس پالیسی کہا جاتا ہے۔ کاغذ کا یہ ٹکڑا اس بات کی ضمانت ہوتا ہے کہ نقصان پہنچنے کی صورت میں انشورنس کمپنی تلافی کرے گی۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ دین کی دعوت کا کام اس سے بھی مشکل کام ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ایک داعی بھی اگرچہ انشورنس ایجنٹ کی طرح وعدہ ہی بیچتا ہے لیکن اس کے عوض وہ اسے کوئی ضمانتی کاغذ بھی نہیں دیتا۔ مزید برآں' انشورنس کروانے والے کے نقصان کی تلافی تو نقد رقم کی صورت میں اس دنیا ہی میں مل جاتی ہے جبکہ داعی جنت کا وعدہ بیچتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ آپ اگر ان اور ان باتوں پر عمل کریں گے اور ان اور ان باتوں سے بچیں گے تو مرنے کے بعد آپ کا مقام عالیشان جنت ہوگی۔ دونوں معاملات ادھار کے ہیں لیکن ایک ادھار دنیا ہی میں واپس کر دیا جاتا ہے جبکہ دوسرا ادھار وہ ہے جو اس دنیا میں واپس نہیں ملتا۔ تو آپ بتائیں کہ دونوں ایجنٹوں میں سے کون سا کٹھن تر کام کر رہا ہے؟

ہم میں سے کچھ لوگ دوسری مذہبی اور دینی جماعتوں پر تنقید کو اپنی عادت ثانیہ بنا لیتے ہیں۔ جب جہاں موقع ملے وہ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ جی وہ دیکھئے نا فلاں جماعت کے لوگ تو دین کے "ذ" سے بھی واقف نہیں۔ دین کے ایک محدود تصور کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔ اور ان کے کارکنوں کو دیکھو تو تعبدی امور میں جس قدر آگے ہوتے ہیں اسی قدر معاملات میں دینی احکامات کو توڑنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اور جی وہ فلاں جماعت تو امر بالمعروف کی بات تو بہت کرتی ہے لیکن نہی عن المنکر کے بارے میں اپنی زبان کو ذرا بھی جنبش نہیں دیتی۔ اور جی وہ فلاں جماعت؟ انہوں نے تو دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کر رکھی ہیں۔ تو بھائیو! اگر ہم میں سے یہ رویہ کسی نے اپنا رکھا ہے تو یہ درست نہیں۔ کیونکہ یہ منفی رویہ ہے۔ اور منفی رویہ سے مثبت نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ جس طریقے کو بہتر سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے چلے جائیے۔ اگر آپ کا طریقہ صحیح ہے تو اس کے اچھے نتائج لازماً برآمد ہوں گے۔ اور تب آپ کے مخالفین بھی تسلیم کر لیں گے کہ آپ کا طریقہ درست ہے۔ آپ جو عقائد رکھتے ہیں، ان کی تبلیغ کیجئے لیکن یہ تبلیغ دوسروں کے عقائد پر تنقید کے ذریعے نہ کیجئے۔ اگر آپ کے عقائد درست ہیں تو وہ لازماً اپنا اثر دکھائیں گے۔ حق آیا ہی غالب ہونے کے لئے ہے۔ حق کی وقتی مغلوبی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حق، حق نہیں رہا بلکہ باطل میں بدل گیا ہے۔ حق کبھی باطل میں نہیں بدلا بلکہ باطل نے ہمیشہ حق کے آگے ہتھیار ڈالے ہیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو ہر معاملے میں حق پر سمجھتے ہیں تو اپنی حقانیت کو دلائل کے ذریعے منوائیے' کٹ حجتی کے ذریعے نہیں۔ مخالفین کی غیر موجودگی میں ان کی باتوں پر تنقید نہ کیجئے کہ یہ بات نصح و خیر خواہی کے جذبے کے منافی ہے۔ آپ اس کے پاس جائیے اور ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ اگلے کو سمجھائیے کہ بھائی آپ کے فلاں اور فلاں عقائد درست نہیں اور یہ میں آپ کی مخالفت کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں نہیں چاہتا کہ میرا بھائی غلط عقائد کی بناء پر اپنی عاقبت خراب کر رہا ہو اور میں خاموش بیٹھا رہوں۔ ایک صاحب نے بڑی اچھی بات کہی تھی کہ مسلمانوں میں جو شرکیہ اعمال و عقائد در آئے ہیں وہ ان کی جہالت کا نتیجہ ہیں ورنہ کوئی گیا گزرا مسلمان بھی جان بوجھ کر شرک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اگر آپ اپنے مخالف کو اس پر قائل کر سکیں کہ آپ نے جو عقائد اختیار کر رکھے ہیں وہ دین سے آپ کی لاعلمی کا نتیجہ ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد سے براءت نہ کرے۔ ورنہ دوسری صورت میں آپ کا شمار بھی ان نادان مولویوں میں ہوگا جو اپنی مسجد کے منبر پر بیٹھ کر دوسروں کے خلاف زبانی گولہ باری کرتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے مخالفین کو اپنا ہمنوا بنا لے گا۔ اس سے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے بھی بدظن ہوتے ہیں کیونکہ نمازیوں میں سب تو ایک مسلک اور ایک فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہمارے معاشرے میں حال یہ ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد جو پنج وقتہ نمازی نہیں ہوتی' جمعہ کی نماز میں آ جاتے ہیں لیکن مولویوں کے یہ دنگل انہیں دین کے قریب لانے کی بجائے دین سے دوری کا سبب بن جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے **شعبہ سمع وبصر** کی تیار کردہ کمپیوٹرسی ڈیز سے

دین کے جامع تصور سے آگاہی اور دینی تقاضوں کا فہم حاصل کیجئے

☆ الہدیٰ (مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب)
☆ اسلام اور خواتین
☆ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے خطبات جمعہ (4 سی ڈیز)
☆ پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر (ویڈیو سی ڈی)
☆ بیان القرآن (قرآن حکیم کا مکمل ترجمہ اور تشریح)
☆ قرآن حکیم کی تلاوت مع متن
☆ سیرت النبیؐ سے ماخوذ اسلامی انقلاب کا طریق کار
☆ Basic Themes of Al-Quran

اور ــــ **دورۂ ترجمۂ قرآن** پر مشتمل ویڈیو سی ڈی

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی 36- کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

حضرت عثمان غنیؓ

مختصر حالات اور فضائل و مناقب (۳)

محمد یونس جنجوعہ

حیا فطرت سلیمہ کا تقاضا ہے۔ دین فطرت میں اس کی اہمیت واضح ہے۔ حیاء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے الحیاء شعبة من الایمان حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ حیا اس جذبہ صادق کو کہا جاتا ہے کہ آدمی کو برائی سے نفرت ہو۔ پس جس شخص کو منکر سے کراہت ہو برائیوں سے خود بخود ہی دور رہے گا۔ جب برائیوں سے دور رہے گا تو نیکیوں سے رغبت فطری بات ہے۔ حیا کا یہ وصف حضرت عثمان میں بدجہ اتم موجود تھا۔ آپ کی اس خوبی کو رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر سند کا درجہ دیا ہے کہ اشدھم حیاء عثمان یہ وہ الفاظ ہیں جو آج بھی خطباء جمعہ کے خطبہ میں بیان کرتے ہیں اور حضرت عثمانؓ کو کامل الحیاء و الایمان کہتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی حیاء کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ میرے حجرے میں تشریف فرما بے تکلفی کے انداز میں آرام فرما رہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ دروازے پر آئے اور اجازت چاہی۔ حضور ﷺ کی اجازت سے وہ اندر تشریف لائے تو حضور ﷺ جس حال میں لیٹے ہوئے تھے' لیٹے رہے۔ یار غار نے بات کرنا تھی کی اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروقؓ آئے اور اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر جب وہ اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ اسی طرح لیٹے رہے۔ وہ بھی اپنی بات کر کے رخصت ہو گئے۔ تیسری مرتبہ بتایا گیا کہ حضرت عثمانؓ آئے ہیں اور وہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اس اطلاع پر حضور ﷺ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرمالئے یعنی ساق مبارک کپڑے سے ڈھانپ لی۔ اب حضرت عثمانؓ کو اندر آنے کی اجازت ملی تو وہ حجرہ مبارک میں تشریف لائے' اپنی بات کی اور چلے گئے۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے چلے جانے کے بعد میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ابوبکر صدیقؓ آئے' پھر عمر فاروقؓ آئے مگر آپؐ نے کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا۔ یہ کیا خاص بات تھی کہ جب عثمان غنیؓ آئے تو آپ نے نہ صرف اپنے کپڑوں کی درستگی کا خاص اہتمام فرمایا بلکہ مجھے بھی اچھی طرح کپڑا لپیٹ کر ایک طرف کونے میں بیٹھ جانے کی ہدایت کی۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہؓ عثمان انتہائی حیادار شخص ہیں۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلف لیٹا رہا تو عثمانؓ اپنی فطری حیاء اور حجاب کی بنا پر وہ بات نہیں کر سکیں گے جس کے لئے وہ آئے تھے اور ویسے ہی چلے جائیں گے۔

حضرت عثمان غنیؓ کو پورا قرآن شریف یاد تھا۔ رات کی نماز میں دیر تک قیام کرتے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ آپ اکثر دن کو روزہ رکھتے اور رات نماز میں گزارتے۔

آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ کسی قبر سے گزر ہوتا تو اتنا روتے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر ہو تو اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے ذکر پر روتے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے "قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کے مراحل اس کے لئے آسان تر ہوں گے اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے۔ (ترمذی) ایک دفعہ آپ کہہ رہے تھے "میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو ہیبت ناک نہیں دیکھا۔ (ابن ماجہ) جس شخص کا یہ حال ہو اور یہ انداز فکر ہو اس کا تقویٰ کس درجے کا ہو گا۔ یہ بات تو ہر شخص ہی جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا نام ان دس صحابہ کرام میں شامل ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے نام بنام جنت کی بشارت دی تھی۔

آپ کے بارہ سالہ دور خلافت کے ابتدائی آٹھ سال تو امن و امان سے گزر گئے۔ مگر آخری چار سال بدامنی اور انتشار کی نذر ہو گئے۔ یہودیوں اور عجمیوں کی سازشوں نے سر اٹھایا۔ یہ سازشیں اس قدر مکاری کے ساتھ اٹھائی گئی تھیں کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان ہوئے اور اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت عمل میں آئی۔ یہ انتشار اس قدر بے قابو ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بنے تو حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی نہ آئی بلکہ صورت حال مخدوش تر ہو گئی یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کفر کے خلاف کوئی لشکر نہیں بھیجا جا سکا بلکہ ساری قوت باغیوں کے کچلنے میں صرف ہوئی۔ نہ صرف یہ بلکہ داخلی انتشار اس قدر بڑھا کہ خلافت راشدہ کے دور کے مسلمانوں کے درمیان انتہائی خونریز جنگیں لڑی گئیں جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں چوراسی ہزار مسلمان تہ تیغ ہوئے۔ ان سازشوں کے پیچھے جو خفیہ ہاتھ کارفرما تھا یہ سب اسی کا نتیجہ تھا۔ تاہم اس ساری شورش اور بدامنی کا کوئی الزام نہ حضرت عثمانؓ پر آتا ہے اور نہ حضرت علیؓ پر کیونکہ مسلمانوں کے حق میں ان کا خلوص و اخلاص ہر شک و شبے سے بالاتر ہے۔ خود زبان رسالت سے آپؓ کی فضیلت اس پر شاہد عادل ہے۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مصر میں بغاوت ہوئی۔ آرمینیا اور آذربائیجان کے باشندوں نے خراج دینے سے انکار کیا۔ اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی۔ یہ علاقے ابھی ابھی اسلامی ریاست میں شامل ہوئے تھے لہٰذا ان کے اندر بغاوت اور سرکشی کے جراثیم زندہ تھے۔ حضرت عثمانؓ بڑی دانشمندی کے ساتھ صورت حال کو درست کرنے میں کامیاب ہوئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں مجاہدین اسلام نے سیاسی اعتبار سے ناقابل فراموش کامیابیاں حاصل کیں۔ اسلامی ریاست کی سرحدیں سینکڑوں میل تک پھیل گئیں۔ مگر یہ ساری فتوحات خشکی پر تھیں۔ کوئی لشکر سمندر پار مہم پر نہیں بھیجا گیا۔ بحری فتوحات کا آغاز حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔ آپ نے ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا۔ جزیرہ قبرص فتح ہوا۔ قیصر روم کے بحری بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز تھے شکست دی۔ خشکی پر فوج کشی کے نتیجے میں طرابلس' برقہ اور مراکش فتح ہوئے۔ ایران کی فتح مکمل ہوئی۔ ایران کے متصل ممالک افغانستان' خراسان اور ترکستان کے کچھ حصے بھی اسلامی ریاست میں شامل ہوئے۔

حضرت عثمان غنیؓ سرکاری اہل کاروں پر کڑی نگاہ رکھتے۔ غفلت اور لاپرواہی کی صورت میں سرزنش کرتے یا معزول کر دیتے۔ مختلف وفود دور دراز کے علاقوں میں بھیج کر وہاں کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ اگر کوئی کوتاہی پائی جاتی تو فوراً کارروائی کرتے۔ اس کے علاوہ تمام عمال حکومت کو لازم تھا کہ حج کے موقعہ پر اکٹھے ہوں اور لوگوں کو بھی اعلان کیا ہوا تھا کہ اس موقع پر حکومت کے نمائندوں کے خلاف شکایت ہو تو خلیفہ کو مطلع کریں۔

مسجد نبوی کی توسیع کی ضرورت تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پیش آ گئی تھی چنانچہ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ نے ملحقہ قطعہ اراضی خرید کر مسجد نبوی کی توسیع کے لئے پیش کر دیا۔ بعد ازاں خلافت عثمانی میں مسجد میں گنجائش کم پڑ گئی تو توسیع ضروری ہو گئی۔ آپ نے بڑی حکمت کے ساتھ مسجد کے ملحقہ مکانوں کے مکینوں کو مسجد کے لئے جگہ دینے پر آمادہ کیا اور مسجد کی توسیع کا کام شروع کیا۔ خود نگرانی کرتے رہے اور یہ کام دس ماہ میں مکمل ہو گیا۔

قرآن مجید سے مسلمانوں کی دوری کے اسباب

تحریر: پروفیسر یوسف چشتی (مرحوم)

(تلخیص: نعیم اختر عدنان)

یونان، ایران اور ہندوستان کی سرزمین فلسفہ وحکمت کا منبع تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے اپنے آخری اور کامل پیغام ہدایت کے لئے عرب کی زمین کو منتخب کیا جو منطق، فلسفہ اور حکمت کے اثرات سے پاک تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم منطق وفلسفہ کی بحثوں کی بجائے عمل صالح اور جہاد کو ترجیح دیتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن حکمت کا منکر یا منطق کا دشمن نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ تصورات کے مقابلے میں عمل پر زیادہ زور دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن صرف ایک اخلاقی نظام متعارف نہیں کراتا بلکہ وہ کامل دستور حیات سے روشناس کراتا ہے۔ ظاہر ہے قرآن کے دستور حیات کو نافذ وغالب کرنے کے لئے اہل منطق اور متکلمین کی بجائے مجاہدین کی ضرورت ہے۔

تجربہ گواہ ہے کہ منطق، فلسفہ اور علم کلام میں انہماک سے انسان کی عملی قوت جو جہاد کی شرط لازم ہے، بالکل افسردہ بلکہ مردہ ہو جاتی ہے۔ مجاہدین کے برعکس کسی منطقی یا فلسفی نے آج تک اپنی جان اللہ کے ہاتھ نہیں بیچی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کے لئے ایسی قوم کو منتخب کیا جو منطق، فلسفہ اور کلام جیسے ''علوم آلیہ'' سے بیگانہ تھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا کلمۂ حق بلند کرنے کے لئے مجاہد درکار تھے نہ کہ منطقی و فلسفی۔ اللہ تعالیٰ ایسے اہل ایمان چاہتا تھا اور ہے جو ''سمعنا و اطعنا'' کا مصداق ہوں تاکہ وہ اللہ کے قانون کو بلاچون وچرا نافذ کرسکیں اور جب ان سے کوئی پوچھے کہ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو تو وہ جواب دیں ''ہم خود نہیں آئے بلکہ اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے اور بادشاہوں کے ظلم وستم سے نکال کر ایمان کے نور اور اسلام کے عدل میں لے آئیں۔'' قرآن حکیم نے اپنی انقلابی تعلیمات کی بدولت ساری دنیا سے جنگ مول لے لی چنانچہ مجاہدین اسلام نے سب سے پہلے مشرکین کو ختم کیا، پھر یہود کو زیر کیا، پھر نصاریٰ کو محکوم بنایا اور دونوں ملتوں کو خارج البلد کر دیا۔ بعد ازاں عراق اور ایران کو فتح کرکے مجوسیت اور مزدکیت کو ختم کر دیا، پھر شام اور ارضِ روم اور ایشیا کوچک کو فتح کرکے نصرانیت (عیسائیت) اور انسان پرستی کو ختم کر دیا گویا اسلام نے پہلی صدی ہجری ہی میں ساری دنیا کو اپنا دشمن بنالیا۔

مگر بعد کے ادوار میں مسلمان رفتہ رفتہ قرآن سے دور ہوتے گئے جس کے نتیجے میں جہاد کا تصور مسلمانوں کے دماغ سے اوجھل ہوتا گیا۔ چنانچہ جہاد بالسیف سے بیگانگی کا نتیجہ 1258ء میں اس وقت ظاہر ہوگیا جب ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کرکے دریائے دجلہ کو پندرہ لاکھ (منطقی، فلسفی، متکلم، شاعر، موسیقار، منجم ومہندس) مسلمانان بغداد کے خون سے سرخ کر دیا۔ اگر مسلمان جہاد کی لذت سے بیگانہ نہ ہو گئے ہوتے تو ایک نہیں دس ہلاکو خان بھی بغداد کو فتح نہیں کر سکتے تھے لیکن جب سلاطین عباسی کے محلات میں علاقے کی حسین ترین لڑکیاں ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں، ایسے عالم ہوش ربا میں جہاد کا خیال کس کافر کے دماغ میں آسکتا تھا۔ بقول اکبر ؎

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلام باری نے ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

توحید کی بجائے شرک اور قرآن کی بجائے شخصیت پرستی کے غیر اسلامی تصورات کے بعد تصوف کے ذریعے غیر اسلامی عقائد اہل اسلام میں داخل ہوگئے اور وہ تصوف جو جہاد ومجاہدہ سے بھرپور تھا وہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کا پیغامبر بن گیا۔ چنانچہ مسجدیں ویران اور خانقاہیں آباد ہوتی چلی گئیں اور مجاہد گوشہ نشین بن گئے۔ بقول اقبال ؎

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

چنانچہ قرآن سے بے تعلقی کا ایک اہم سبب یہ خانقاہیں بن گئیں اور خانقاہوں کی چار دیواری سے قرآن آہستہ آہستہ خارج ہوتا چلا گیا۔ گویا پندرھویں صدی میں قرآن صوفیوں کے نصاب تعلیم سے خارج ہوگیا اور ان کا مقصد حیات صرف ذکر اور مراقبہ بن گیا۔ چنانچہ اب کلمہ حق کہنے والا کوئی شخص ان خانقاہوں سے میدانِ عمل میں نہیں نکلا، اسی لئے تو اقبال نے کہا تھا۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

قرآن سے بے تعلقی کی ایک وجہ احادیث کی چھان پھٹک میں علماء اسلام کا انہماک تھا۔ اس غیر معمولی انہماک کی وجہ یہ تھی کہ مخالفین اسلام نے لاکھوں جھوٹی حدیثیں وضع کرکے انہیں مسلمانوں میں پھیلا دیا۔ چنانچہ مسلمان محققین کی کاوشیں اشتغال بالحدیث میں لگ گئیں اور وہ قرآن کی طرف وہ توجہ نہ کرسکے جس کا وہ مستحق تھا۔

قرآن سے دوری کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ حکومت میں عہدہ حاصل کرنے، قاضی یا جج بننے کے لئے صرف علم فقہ کی مہارت کی ضرورت تھی اس لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کی توجہ تحصیل علم فقہ کی طرف ہوگئی اور یوں قرآن مزید پس منظر میں چلا گیا۔ مسلمان بادشاہ نہیں چاہتے تھے کہ عوام قرآنی تعلیمات سے آگاہ ہوں مبادا ان کے عیش و اقتدار میں خلل پڑے۔ رہے علماء و صوفیاء تو وہ خود قرآن سے بے تعلق تھے۔ علماء کا مبلغ علم فقہ تھا اور صوفیاء کا منتہائے پرواز بلکہ مقصد حیات ذکر ومراقبہ تو وہ ترجمہ قرآن کیوں کرتے۔

جب سلاطین، نوابوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا فائدہ اسی میں تھا کہ عوام قرآنی تعلیم سے بیگانہ رہیں تو علماء وصوفیا کو بادشاہوں سے ٹکر لینے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنے وظیفے بند اور جاگیریں ضبط کراتے؟ ویسے بھی نہ ہر عالم دین امام ابن تیمیہؒ ہوسکتا ہے اور نہ ہر صوفی امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بن سکتا ہے۔ الغرض جب عوام اور خواص حکومت اور دولت سے مستفید ہوئے تو تمام طبقات میں وہ تمام عیوب پیدا ہوگئے جو حکومت اور دولت کا منطقی نتیجہ ہوتے ہیں، مثلاً عقیدے کی خرابی، غیر اسلامی رسومات پر عمل اور ان رسومات کو عین اسلام سمجھنا اور خلاف قرآن زندگی بسر کرنا۔ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کا مذہب بن گئیں۔ مگر قرآن تو ان سب باتوں کا دشمن ہے۔ چنانچہ ایسی منظم کوششیں کی گئیں کہ عوام اور خواص دونوں قرآن سے بیگانہ ہو جائیں تاکہ غیر قرآنی زندگی اور غیر اسلامی عقائد و رسومات اور طرز حیات پر گرفت نہ ہوسکے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پورے ایک ہزار برس تک قرآن حکیم کا مسلمان اقوام کی مادری زبانوں میں ترجمہ کرنے کی مخالفت کی جاتی رہی۔ چنانچہ میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر ملت کی اور کوئی خدمت نہیں ہوسکتی کہ مسلمانوں کو قرآن کی طرف بلایا جائے اس لئے کہ تعمیر فکر کے لئے تطہیر فکر لازمی ہے اور افکار کی تطہیر قرآن حکیم میں تدبر کے بغیر محال ہے۔

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف
خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

بٹ خیلہ اور باڈوان کے اسرہ جات کا مشترکہ دعوتی پروگرام

اس ایک روزہ دعوتی پروگرام کے لئے میاں بزنگولہ (ضلع دیر پائین) کا انتخاب کیا گیا اور اگست کی 24 تاریخ مقرر کی گئی۔ میاں بزنگولہ، ضلع دیر پائین کا اہم اور خوبصورت گاؤں ہے جو باڈوان سے مغرب کی جانب چند کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے سوات کے کنارے واقع ہے۔ گاؤں کی چار پانچ مساجد شرقاً غرباً عین دریا کے کنارے ایک قطار میں ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں۔ حلقہ سرحد (شمالی) کے ناظم دعوت جناب مولانا غلام اللہ حقانی اور جناب محمد نعیم خان کو اس پروگرام میں خطاب کی خصوصی دعوت دی گئی تھی۔

مقررہ تاریخ کو راقم ایک رفیق اور دو احباب کے ہمراہ بٹ خیلہ ملاکنڈ سے بزنگولہ کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر دارالعلوم اسلامیہ عربیہ میاں بزنگولہ میں قیام و طعام کے انتظامات مکمل کئے گئے۔ عصر کی نماز سے قبل تمام رفقاء واحباب مسجد پائین پہنچ گئے۔ عصر کی نماز کے بعد جناب مولانا غلام اللہ حقانی نے ''فرائض دینی کے جامع تصور'' پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے ہر فریضے کے لئے قرآن کریم سے چار چار اصطلاحات کی وضاحت کی۔ ان دینی فرائض کی ادائیگی کے لئے تین لوازم کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حقانی نے جہاد، التزام جماعت اور بیعت سمع وطاعت فی المعروف پر سیر حاصل بحث کی۔ یہ خطاب 40 افراد نے توجہ وانہماک سے سنا۔

نماز مغرب کے بعد دو مساجد میں دعوتی خطاب ہوئے۔ جناب محمد نعیم خان نے اسی مسجد میں سورۂ آل عمران کی آیات 102 تا 104 کے حوالے سے ''امت مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل'' بیان کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت واضح کی۔ موصوف نے حدیث نبویؐ کے حوالے سے نہی عن المنکر کے تین درجوں یعنی بالید، باللسان اور بالقلب کی وضاحت کی۔ اس دعوتی نشست میں رفقاء سمیت 50 افراد شریک تھے۔ دوسرے دعوتی پروگرام میں راقم نے گاؤں کی ایک دوسری مسجد میں ''مطالبات دین'' کے موضوع پر 35 افراد سے خطاب کیا اور حاضرین کو بعد نماز عشاء منعقد ہونے والی دعوتی نشست میں شرکت کی دعوت دی۔

نماز عشاء سے قبل تعارفی نشست ہوئی۔ 10 رفقاء اور 4 احباب نے اپنا تعارف کرایا۔ نماز عشاء کے بعد راقم نے ''اسلام بحیثیت دین'' کے عنوان پر رفقاء واحباب سمیت لگ بھگ 60 افراد سے خطاب کیا۔ اس خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی، جس میں جناب مولانا غلام اللہ حقانی اور جناب محمد نعیم خان نے حاضرین کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے۔

اگلے روز نماز فجر کے بعد درس قرآن ہوا۔ مولانا غلام اللہ حقانی نے سورۃ الرحمٰن کی آیات 1 تا 4 کا درس دیا، جس سے تقریباً 50 حاضرین فیض یاب ہوئے۔ پروگرام کے اختتام سے قبل رفقاء کی ایک مختصر نشست ہوئی، جس میں اس دعوتی پروگرام کا تنقیدی جائزہ لیا گیا۔ اس یک روزہ میں بٹ خیلہ، باڈوان، تیمر گرہ اور اوچ سے 10 رفقاء اور 4 احباب نے شرکت کی۔ پانچ دعوتی پروگراموں میں لگ بھگ 200 افراد تک دعوت پہنچائی گئی۔ (رپورٹ: شوکت اللہ شاکر)

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کا دعوتی اجتماع

یہ ماہانہ اجتماع 28 اگست کو بعد نماز مغرب نثار ماڈل ہائی سکول، کمال آباد میں منعقد ہوا۔ اس ماہ کے لئے موضوع ''عالم کفر کی یلغار اور ہماری ذمہ داریاں'' منتخب کیا گیا تھا۔ اس کے لئے دعوت نامے فوٹو سٹیٹ کرا کے اردگرد تقسیم کئے گئے جبکہ رفقاء نے خصوصی ذاتی رابطوں سے بھی احباب کو اس جلسہ میں آنے کے لئے کہا۔ نماز عصر سے قبل ہی سکول کے گراؤنڈ میں کرسیاں لگا دی گئیں۔ ساؤنڈ سسٹم اور سٹیج کا کام بھی اسرہ کمال آباد کے رفقاء نے مکمل کر دیا۔

خطاب کے لئے حلقہ پنجاب (شمالی) کے ناظم جناب خالد محمود عباسی سے درخواست کی گئی تھی۔ نماز مغرب کے فوراً بعد جناب شاہد شفیق نے سورۃ المائدہ کی آیات 57 تا 66 کی تلاوت اور ترجمہ کر کے جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا۔ جناب صفدر مغل آبادی نے نظم ''جاگ مسلماں جاگ'' پیش کی۔ جناب خالد محمود عباسی نے سورۃ الصف اور سورۃ التوبہ کی آیات سے اپنا خطاب شروع کیا۔ سورۃ الصف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کا اتمام کر کے رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی برا لگے۔ انہوں نے کہا کہ جزیرہ نما عرب کی حد تک تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور پھر خلفائے راشدین کے ذریعے اسے پورا فرما دیا لیکن کل روئے ارضی پر ابھی اسے غالب ہونا ہے۔ آئی ایم ایف ہو یا یو این او سب کے پیچھے اصل کردار یہود ہی کا ہے۔ سیاسی طور پر ہر حملے کا رخ مسلمانوں ہی کی طرف ہے۔ دہشت گردی کا لیبل بھی صرف مسلمانوں ہی پر لگایا جاتا ہے۔ ان انتہائی مایوس کن حالات کے باوجود اگر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو تسلی اور تشفی ہوتی ہے کہ اس معرکۂ خیر وشر میں آخری فتح ان شاء اللہ حق ہی کی ہوگی۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اپنے اندر ایمان حقیقی پیدا کرے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتا رہے۔ اسی میں کامیابی ہے۔

اس جلسہ میں احباب و رفقاء سمیت حاضری تقریباً 85 رہی۔ اس پروگرام کے لئے رفقاء کے علاوہ نثار ماڈل سکول کے پرنسپل جناب ملک نثار کا تعاون بھی مثالی رہا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم سے نوازیں۔

بعد نماز عشاء ناظم حلقہ نے راولپنڈی کینٹ کے رفقاء سے ملاقات کی اور فرداً فرداً ہر ایک سے تعارف حاصل کر کے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا۔ یوں دوسری نشست رات ساڑھے گیارہ بجے اختتام پذیر ہوئی۔

(رپورٹ: چوہدری اشتیاق حسین)

تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ کا دورہ بہاولپور

تقریباً ایک سال قبل ضلع بہاولپور کو حلقہ پنجاب (جنوبی) سے علیحدہ کر کے حلقہ بہاولنگر میں شامل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ علاقہ تنظیمی اصطلاح میں ''بانجھ لوگوں کی سرزمین'' کہلایا کرتا تھا۔ ہم تعجب کے ساتھ منتظر تھے کہ ہمارے نئے امیر حلقہ کیا معجزہ دکھائیں گے! جلد ہی ضلع بہاولپور بھی امیر حلقہ کے ہفتہ واری دوروں کی لپیٹ میں آ گیا۔ صرف دو ماہ بعد ہی یہ معجزہ ہوا کہ بہاولپور میں قرآن اکیڈمی کے قیام کے لئے کسی صاحب حیثیت نے دو کنال جگہ عطیہ کر دی۔ پھر ایک دن یہ خوش خبری سنی کہ اکیڈمی کی تعمیر کا آغاز ہو گیا ہے۔ آخر کار تعمیر بھی مکمل ہو گئی اور 30 اگست کو تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق کے خطاب جمعہ سے مرکز بہاولپور کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔

جناب ڈاکٹر عبدالخالق نے قرآن مجید کی عظمت حضرت موسیٰؑ پر تجلی کے واقعہ سے واضح کی۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کی تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ایک پہاڑ پر گرائی جس کو حضرت موسیٰؑ برداشت نہ کر سکے اور وہیں بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح قرآن مجید کی عظمت کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ انہوں نے کہا کہ اس دور میں جتنے فتنے پھیل رہے ہیں، ان کا واحد حل قرآن مجید ہی ہے۔ جب تک ہم قرآن کی طرف رجوع نہیں کریں گے، ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس قرآن کو چھوڑ کر خواہ ہم کتنا ہی اچھا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کریں وہ یقیناً گمراہ کن ہوگا۔ قرآن مجید کو جھٹلانے والوں کے انجام پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جس طرح یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں کی آیات کو جھٹلایا، اگر ہم بھی ویسی ہی روش اختیار کریں گے تو یقیناً ہمارا بھی وہی حال ہوگا جو ان کا ہوا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی آیات جھٹلانے والوں کو ظالم، کافر اور فاسق کہا گیا ہے۔ ہم میں سے بھی اکثر لوگ اللہ کی آیات کو غیر شعوری طور پر جھٹلا رہے ہیں۔ یہ جھٹلانا اس کتاب کے کلام اللہ ہونے سے انکار کرنے کی صورت میں نہیں ہے بلکہ ہم عملی طور پر قرآن کی آیات سے روگردانی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اپنی پچاس سالہ تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہم نے اجتماعی سطح پر کتنے فیصلے قرآن وسنت کے خلاف کئے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم اپنی انفرادی زندگی پر غور کریں تو ہم میں سے کتنے حضرات ہیں جن کے ہاں شرعی پردہ رائج ہے! ہم میں سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کم از کم قرآن مجید کے بنیادی حقوق تو ادا کرے۔ اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے عوام کو ''مسجد جامع القرآن وقرآن اکیڈمی'' کے قیام کے اغراض ومقاصد بتائے۔

نماز جمعہ اور طعام کے وقفہ کے بعد ناظم اعلیٰ کے ساتھ سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر عبدالخالق واپس روانہ ہو گئے۔ یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق ہم

اپنے امیر حلقہ سے متعجب ہو کر پوچھتے تھے کہ شہر سے اتنی دور تعمیر کا کیا فائدہ ہوگا! لیکن آج کا دن ہمارے تمام سوالات کے جواب دے رہا تھا۔ لوگوں کا ہماری توقعات سے زیادہ جمع ہونا بہت خوش آئند اور حیرت انگیز تھا۔ اس سے ہم سب ساتھیوں کے حوصلے بہت بلند ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم نے جس کام کی بنیاد رکھی ہے اس میں ہمیں استقامت کی توفیق عطا فرمائیں!

(رپورٹ: وقار اشرف)

لیہ میں حلقہ پنجاب (وسطی) کا پروگرام

امیر حلقہ جناب مختار حسین فاروقی کی معیت میں لیہ روانہ ہونے کے لئے ٹوبہ سے جناب سمیع اللہ جھنگ سے جناب اللہ نور خاں اور گوجرہ سے راقم آیا۔ 31 اگست کو صبح سوا سات بجے یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں تریموں ہیڈ ورکس کی معروف شخصیت محترم شیر محمد صاحب سے ان کے فش فارم پر ملاقات کی اور ان کو تنظیم اسلامی کی کتب کا سیٹ پیش کیا گیا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے لیہ پہنچے۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کا اجتماعی مطالعہ کیا گیا۔

دعوتی و تبلیغی پروگرام کا آغاز ہاؤسنگ کالونی کی جامع مسجد میں محترم فاروقی صاحب کے خطاب جمعہ سے ہوا۔ انہوں نے قرآنی آیات کے حوالے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت و ضرورت پر گفتگو کی۔ انداز بیان نہایت سلیس اور عام فہم تھا۔ کم و بیش 250 احباب نے خطاب جمعہ سنا۔ نماز جمعہ سے متصلاً بعد ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال کی مسجد میں جناب محمد سعید نے' محلہ حافظ آباد کی جامع مسجد میں جناب محمد راشد منہاس جبکہ ہاؤسنگ کالونی کی مسجد میں جناب جاوید اقبال اور راقم نے تنظیم اسلامی کی دعوت پر مشتمل ہینڈ بلز 600 کی تعداد میں تقسیم کئے۔

نماز عصر کے بعد شہر کے مختلف احباب سے ملاقاتیں ہوئیں اور انہیں نماز مغرب کے بعد فاروقی صاحب کے خطاب کی ساعت کی دعوت دی گئی۔ یہ خطاب جناب چوہدری محمد صادق کی رہائش گاہ پر ''موجودہ حالات اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر ہوا۔ محترم فاروقی صاحب نے سورۂ روم کے پانچویں رکوع کے حوالے سے گفتگو کی۔ کم و بیش 45 احباب نے نہایت توجہ سے اس خطاب کو سنا۔ اگلے روز نماز فجر کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ دس افراد نے دعوت بذریعہ قرآن اور دیگر دینی موضوعات پر گفتگو کی۔ اس محفل میں احباب کو تنظیم اسلامی میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ جناب جاوید اقبال اور جناب محمد اسلم نے تنظیم میں رفیق کی حیثیت سے شمولیت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت دے۔ آمین!

(رپورٹ: غلام نبی)

ضرورت رشتہ

لاہور سے تعلق عمر 24 سال' تعلیم BA۔ حافظ قرآن امریکہ میں سٹور پر ملازم لڑکے کے لئے امریکی شہریت رکھنے والے دینی گھرانے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: سردار عوان: فون: 03-5869501

نقطہ نظر

کیا ووٹ ڈالنا ضروری ہے؟

تحریر: حافظ محبوب احمد خان

تین سالہ دورِ آمریت کے بعد 11 راکتوبر کو جمہوریت کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ ان تین سالوں میں سیاست دانوں کی کردار کشی کے لئے منظم انداز میں مہم چلائی گئی اور عوام کو مسلسل یہ باور کرایا گیا کہ تمام برائیوں کی جڑ سیاست دان ہی ہیں۔ اسی منفی پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ موجودہ الیکشن میں اب چند ہی دن باقی ہیں مگر عوام اور سیاست دانوں کے درمیان اعتماد کا وہ رشتہ ہنوز قائم نہیں ہو سکا جو جمہوری نظام کو چلانے کے لئے ضروری ہے۔ دراصل ہر دور آمریت میں سیاست دانوں اور عوام کے درمیان نفرتوں کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ آمریت معاشرے کو برادریوں' فرقہ بندیوں میں تقسیم کرتی اور اس کی اجتماعیت کو تباہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تین سالوں میں برادریوں اور فرقہ پرستی نے ایک جن کی شکل اختیار کر لی ہے۔ سیاست دانوں نے بھی عوام سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا مگر اس کے باوجود ہماری پوری تاریخ گواہ ہے پاکستان نے سیاسی ادوار میں جس قدر کامیابیاں سمیٹی ہیں ان کا عشر عشیر بھی دورِ آمریت میں نظر نہیں آتا۔ آمریت کے ان ادوار میں نہ صرف نظریہ پاکستان کی بیخ کنی کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی بلکہ پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں بھی سمٹتی چلی گئیں۔

پاکستانی عوام کے لئے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ سیاست دانوں نے باوجود اپنی کمی و کوتاہیوں کے نظریہ پاکستان اور پاکستان کی سالمیت کا کسی قدر دفاع ضرور کیا ہے۔ پاکستان نے ایک سیاسی جدوجہد کے نتیجے میں جنم لیا۔ قیام پاکستان کے بعد 1949ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری سیاسی عمل ہی کا نتیجہ ہے' جس نے پاکستان کو ایک اسلامی شناخت عطا کی۔ 1971ء کی جنگ میں شکست کے بعد ایک سیاست دان ذوالفقار علی بھٹو نے شملہ معاہدہ کے تحت پاکستان کے نوے ہزار قیدیوں کو بھارت کی قید سے چھڑایا۔ 1973ء کے متفقہ آئین کو بھی ذوالفقار علی بھٹو اور اس دور کی سیاسی جماعتوں کا سنہری کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ 1974ء میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس کے لئے اہل لاہور نے ایک سیاسی دور میں ہی دل و جان سے عالم اسلام کی عظیم قیادت کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو نے ایٹمی صلاحیت کے حصول کے لئے پاکستانی قوم کو یہ کہہ کر تیار کیا کہ ہم گھاس کھا لیں گے لیکن ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔ نواز شریف اور بے نظیر کے متعلق بہت سی منفی باتیں کی جا سکتی ہیں مگر ان دونوں کو یہ کریڈٹ دیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بیسیوں جماعتوں میں بٹی ہوئی منتشر قوم کو دو جماعتی نظام کے قریب لانے کی کوشش کی۔ نواز شریف کے دورِ حکومت میں پاکستان ایک ایٹمی قوت بن کر دنیا کے نقشے پر ابھرا۔ میزائل سازی میں پاکستان کی صلاحیت کا اظہار بھی اسی دور میں غوری و شاہین جیسے میزائلوں کے تجربات سے ہوا۔ سود کے خلاف تاریخ ساز فیصلہ ایک سیاسی دور میں ہوا مگر اس فیصلے کو کالعدم کس دور میں قرار دیا گیا یہ عوام بخوبی جانتے ہیں۔ اگر ہم جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کی جانب نظر ڈالیں تو کسی سیاسی دور میں پاکستان کا رقبہ کم نہیں ہوا۔ سیاست دانوں نے نظریاتی سرحدوں کے پاسبان ہونے کے علاوہ جغرافیائی سرحدوں کا پاسبان ہونے کا ثبوت بھی دیا۔ علاقے میں امن و استحکام کے لئے نواز شریف نے جس طرح واجپائی کو لاہور آنے کی دعوت دی وہ ''امن کی خواہش'' کی ایک بہترین مثال ہے۔

آج ہمارے عوام اس بات پر سیاست دانوں سے شکوہ کناں ہیں کہ انہوں نے ان کی گلیاں پکی نہیں کیں' ان کے لئے ہسپتال نہیں بنائے جس میں وہ بیماری سے نجات پاتے' ایسے سکول نہیں بنائے جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے' ایسی ڈسپنسریاں نہیں بنائیں جہاں سے غریب دوائیاں حاصل کرتے' ان کے لئے روزگار کے مواقع نہیں بڑھائے مگر ہمارے عوام اس بات کو بھی پیش نظر رکھیں کہ سیاست دانوں نے ان سے ان کچی گلیوں کو چھینا بھی تو نہیں۔ لیکن اگر ہم پر اسی طرح بے حسی طاری رہی تو شاید یہ کچی گلیاں بھی ہمارے پاؤں کے نیچے نہ رہیں۔ اگرچہ وطن عزیز پاکستان کی حقیقی بقا' استحکام اور سالمیت تو اس بات میں مضمر ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم ہو۔ اسلامی نظام قائم کئے بغیر ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے اور یہ امر بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ جاگیرداری اور فرقہ واریت کے ہوتے ہوئے انتخابات کے ذریعے اسلامی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ نیز اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے وہی طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جو حضور اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا تھا۔ لیکن جب تک یہاں اسلامی نظام حکومت قائم نہیں ہوتا' سیاسی عمل کا جاری رہنا اس ملک کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کیونکہ یہ ملک ایک سیاسی عمل کے نتیجے میں قائم ہوا تھا۔ دراصل بدترین جمہوریت بھی بہترین آمریت سے بہرحال بہتر ہوتی ہے۔ اگر ہم اس جمہوری نظام سے لاتعلق رہیں گے' اپنے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو قربان کرتے رہیں گے تو یہ آمریت کو دوام دینے کے مترادف ہوگا۔ یاد رکھئے سیاسی حکومتیں اگر آپ کو محل نہ دے سکیں تو آپ سے آپ کے کچے گھر بھی نہیں چھینیں گی۔ یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے لئے ووٹ ڈالنا کیوں ضروری ہے؟؟

predicted 1400 years ago. The US is bringing the world closer to the mothers of all wars with the mentality that the United States and Israel are "good"; the Muslim states are "evil"; and those opposed to this war represent "moral relativism," ostensibly neutral but virtually on the side of "evil," forgetting that any one or any administration which actually clamors for a world war, with all the millions of violent deaths it would entail, is itself evil.

The World War IV, or final world war, is undoubtedly in progress. It has crossed our doorsteps. It is already raging in our living rooms, where Muslims are pitted against Muslims - "moderate" Muslims cursing "fundamentalist" Muslims - and in our streets, where "liberal" Muslim army is killing "terrorist" Muslim brothers. Instead of getting engaged in discussion about how many angels could dance on the head of a pin, all we need to individually and collectively ensure at this point is to not unconsciously throw our weight on the side of evil by making ourselves presentable "moderates," or "liberals." A few days glory in return for standing in the ranks of Allies for a "war on terrorism" and a war on "axis of evil" is too ephemeral to enjoy. Let's keep calling a spade a spade, at the very least.

Reference:

(1) Jane's Foreign Report newsletter's report quoted on Arabia.com at http://www.arabia.com/infoarabia/about-us/english, September 27, 2002, 02:56 PM

"I wish I could offer him my health"

A worth reading letter from Br. Abid Ullah Jan

Respected Sardar Awan Sahib,

Assalamoalaikum,

I have been trying for the last few days to write to you, but I could gather enough energy and proper words to convey my feelings. I want to convey my sincere congratulations to Brother Hafiz Akif Saeed. I wish him all the best and am really happy to know about his qualities in the recent issue of Nida-I-Khilafat. Besides my desire to send congratulation and a few words of my full support to brother Akif Saeed, what I can't convey is my feelings of emptiness due to Dr. Sahib's leaving his seat. This is life and everyone has to leave someday at his appointed hour. Dr. Sahib's leaving his direct leadership role is yet another proof of his selflessness that he demonstrated throughout his life. However, this action brings tears to my eyes and an indescribable feeling of sadness to my heart. Wish I could explain this feeling and the reason behind it. The way Dr. Sahib describe his health made me more concerned.

I wish I could offer him my health. I wish I could grant him whatever little strength I have. He would certainly utilize it in a more productive way. But I Can't do any of these. All my prayers are for Dr. Sahib's health, happiness and Iman.

Please ask Dr. Sahib to make special prayers for me also. My prayers for myself are: Ya Allah Islam ki Khatir mujh se atna bar'ra kam lay jis ka may tassawer bhi naheen kar saktha. Please ask Dr. Sahib to privately pray for me in the same words.

May Allah bless Dr. Sahib. May He grant Akif Saeed Sahib strength to perform his duties and complete Dr. Sahib's mission. May Allah bless you as well.

Wassalam

Abid Ullah Jan

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ مردان

اس دورے کے لئے منگل 10 ستمبر 2002ء کی تاریخ مقرر کی گئی۔ مردان شہر میں جگہ جگہ بینرز لگائے گئے۔ تمام صوبائی اخبارات اور ایک قومی اخبار میں خبریں اور اشتہار شائع کرائے گئے۔ ہزاروں ہینڈ بلز اور دعوتی کارڈز تقسیم کئے گئے۔ مقررہ تاریخ کو امیر محترم اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ مردان پہنچے۔ عیدگاہ جامع مسجد کمپنی روڈ میں نماز مغرب کے بعد پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب قاضی فضل حکیم نے ادا کئے۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے ختم نبوت کے دو مفہوم، تکمیل رسالت کے عملی تقاضے اور اس ضمن میں پاکستان کا خصوصی کردار کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ نبوت اور رسالت حضرت محمد ﷺ پر کامل ہوئی۔ حضور ﷺ کے بعد اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ کذاب، جھوٹا اور کافر ہے اور جس نے اس کی تصدیق کی، وہ مرتد ہے اور دونوں واجب القتل ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے آنحضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے کہا کہ "میری امت میں تیس افراد ایسے اٹھیں گے جو کذاب (انتہائی جھوٹے) ہوں گے۔ ان میں سے ہر شخص اپنے بارے میں یہ گمان کرتا ہوگا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔" بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تیس کے قریب ایسے افراد نہ اٹھا دیئے جائیں جو دجال ہوں گے، کذاب ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ نبوت اللہ سے لینے والا حصہ ہے اور رسالت مخلوق خدا کو اللہ کا پیغام پہنچا دینے والے حصے کا نام ہے۔ اس دینے والے حصے کے عملی تقاضے کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا "لیظهره علی الدین کله"۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں اللہ کے دین کو عرب کی حد تک کامل طور پر غالب و نافذ کر کے ہمارے لئے عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اب یہ امت کا کام ہے کہ وہ اس دین کو پوری دنیا پر نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ اس ضمن میں پاکستان کا خصوصی کردار یہ ہے کہ یہ ملک "پاکستان کا مطلب کیا: لا الہ الا اللہ" کے نعرے کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ لیکن یہاں پر گزشتہ 55 سال سے اسلامی نظام نافذ نہیں ہوا، بلکہ جو امید تھی وہ بھی اب ختم ہو رہی ہے کیونکہ ہماری موجودہ حکومت سیکولرازم کی طرف اندھا دھند دوڑ لگا کر سب کچھ تبدیل کرنے کے درپے ہے۔ مذہبی جماعتوں نے بھی انقلابی طریقہ کار چھوڑ کر انتخابی سیاست میں قدم رکھ دیا ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے ہم کو انتخابی سیاست کی بجائے قرآن اور اسوۂ حسنہ سے رہنمائی لے کر یہ فریضہ اقامت دین ادا کرنا ہوگا کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس بارے میں ان کی دو کتابوں "خطبات خلافت" اور "منہج انقلاب نبوی" میں اس پورے طریقہ کار کو واضح کر کے بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانان پاکستان اپنی ذمہ داریوں کو پہچان کر اقامت دین کی جدوجہد میں تن من دھن سے شریک ہوں کیونکہ اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ خطاب اور نماز عشاء کے بعد جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

(رپورٹ: فضل ربی گلفام)

Vol:11 Regd.CPL No.127 No.39
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

The World War is On

The erudite Muslim scholars who are blaming Muslims alone for their present miserable condition are no different than their forefathers who liked to argue about how many angels could dance on the head of a pin at a time when enemy was busy undermining every aspect of their life. As the war on Islam intensifies, the so-called Muslim scholars are turning their attention to the US just war theory, currently among the more ridiculous attempts to make reality conform to pure lies and contingency fit into pre-packaged categories of good and evil.

Not that there's anything intrinsically wrong with just war theory. It does provide the only middle ground between promiscuous pacifism and totalistic crusading. It is just that the US is neither going for a just war, nor is WMD, Saddam, Osama, or the Taliban its ultimate objective. Unfortunately, we are blind to the reality that US is not even independent in making decisions to go to war. It might sound strange, but the only unjust cause and result of the post-September 11 war is Greater Israel.

Like Israel's founding fathers, the present generation of Jewish leaders sees the existing area of Israel as a base for further conquest later. Like Weizmann, every Israeli leader consider Israel's boundaries "skimpy," believing, "The Kingdom of David was smaller; under Solomon it became an Empire. Who knows? C'est le premier pas qui compte" - it is the first step that counts.

The whole history of Zionism revolves around this dream. Israel's leaders, who have gradually and progressively edged toward explicitly embracing this dream, have never decisively repudiated it. The gains of 1948 and 1967 were mere stepping-stones. Israel will keep expanding as long as it can.

Without going into details about Israel's hand behind 9-11 or Bush Junior's being on fire, the latest situation according to Jane's Foreign Report Newsletter is that Israeli forces are already operating inside Western Iraq. The newsletter said the elite Sayeret Matkal commando unit was ordered into Iraq "to find and identify places used by, or likely to be used by, Iraqi Scud missile launchers." (1) However, after Menachem Begin's August 08, 1982 admission that Israel itself started three of its wars, one wonders if Israel would not play a catalytic role in initiating a fourth war in the near future.

Syrian FM blasts US for working to realize "Israel aims" in Middle East. US Senators, such as Sen. Joseph Biden, chairman of the Senate Foreign Relations Committee, say the involvement of Israelis would turn Bush's war into "an Arab-Israel war." Israel on the other hand impatiently warns of Hezbollah plans to disrupt US strikes on Iraq (AP, September 28, 2002). And above all Israel's sympathizers are calling for World War IV.

R. James Woolsey, a former CIA director during the Clinton administration, says the first world war of the 21st century is not a war against terrorism per se. After all, Spain's ETA and Ireland's IRA terrorists are not enemies of America. So the world war now under way, Mr. Woolsey argues, is being waged on three different but related fronts - Iran, Iranian backed Hizbollah, Ba'ath parties of Syria and Iraq, and Egypt's Islamic Jihad. He says the fourth world war has been almost entirely financed by Saudi Arabian wealth.

On the other hand, not content with making war on Iraq, Norman Podhoretz of Commentary magazine, the highbrow Zionist monthly, calls on the United States to launch World War IV. He considers the hoax Cold War as World War III. But this time he has a very hot war in mind - what he describes as "the war against militant Islam."

Representing mindset of Israeli leaders, Podhoretz thinks US has just the right leader to conduct a world war. Bush qualifies for this tremendous role because he has restored "moral clarity" and rejected "moral relativism" by virtue of the "concept that some nations [are] evil and others good."

To make World War IV a faith-based initiative, Bush is considered to have achieved moral clarity after 9/11 through "a kind of revelation," which "lit up the recesses of Bush's mind and heart and soul." He suddenly knew, says Podhoretz, "that the God to whom, as a born-again Christian, he had earlier committed himself had put him in the Oval Office for a purpose."

Despite his fanaticism, we need to respect Podhoretz. He says what he means, without the usual Zionist double talk. He doesn't pretend he is a humanitarian or a democrat. He says what Ariel Sharon and Bush are thinking. Sharon would never publicly agree with Kahane, but he acts as if he does. If we're going to have a genuine world war, Podhoretz sensibly argues, we can't stop with victory and "regime change" in Iraq. The US has to clean up the whole evil Middle East and change all its regimes.

"The regimes that richly deserve to be overthrown and replaced are not confined to the three singled-out members of the axis of evil. At a minimum, this axis should extend to Syria and Lebanon and Libya, as well as 'friends' of America like the Saudi Royal family and Egypt's Hosni Mubarak, along with the Palestinian Authority, whether headed by Arafat or one of his henchmen."

"At a minimum"! Making war on Syria, Lebanon, Libya, Saudi Arabia, Egypt, and the Palestinian Authority would be the "minimum." We must brace up for the maximum, which would be a war on all Muslim states -- overthrowing and replacing every government with a pro-US and pro-Israel regime.

Podhoretz has not exposed the Manichaean fantasy world of so many of those who are now calling for war with Iraq. This is what Prophet Moahmmed (PBUH) has